

# الرَّابِعِينَ حَنْفِيَّةً

مُؤَلَّفَةً

فقيه اعظم حضرت علامہ ابوالیوسف محمد شریف نقشبندی کوٹلوی

[www.sirat-e-mustaqeem.com](http://www.sirat-e-mustaqeem.com)



الْمَدِينَةُ الْعِلْمِيَّةُ

بِسْمِہِ تَعَالٰی

# ارْبَعِیْنَ حَنْفِیَہ

نماز سے متعلق چالیس احادیث کا مجموعہ ہے،  
جس میں اختلافی مسائل میں حنفی مذہب کی تقویت  
نہایت مدلل انداز میں بیان کی گئی ہے۔

مؤلف

فقیر اعظم حضرت علامہ ابو یوسف محمد شریف نقشبندی  
کوٹلوی، قدس سرہ العزیز (متوفی ۱۹۵۱)

ناشر

المدينة العلمية

P.O.Box :18752

Email: [ilmia26@hotmail.com](mailto:ilmia26@hotmail.com)

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	.....	اربعین حنفیہ
مولف	.....	فقیہ اعظم حضرت علامہ ابو یوسف محمد شریف
		نقشبندی کوٹلوی قدس سرہ العزیز (م ۱۹۵۱ء)
تعداد	.....	۱۰۰۰
سن طباعت	.....	۲۰۰۳ء، ۱۴۲۴ھ
ایڈیشن	.....	اول
صفحات	.....	۱۱۲
قیمت	.....	

ہماری مطبوعات طلب کیجئے

- ۱۔ مکتبۃ المدینۃ فیضانِ مدینہ محلّہ سوداگراں پرانی سبزی منڈی کراچی
- ۲۔ مکتبۃ المدینۃ شہید مسجد کھارادر کراچی
- ۳۔ مکتبۃ المدینۃ سردار آباد (فیصل آباد)
- ۴۔ مکتبۃ المدینۃ، گنج بخش روڈ، لاہور

ناشر

المدينة العلمية

الصلوة والسلام عليك يا رسول الله

## ”المدينة العلمية - ایک تعارف“

بجاء تعالیٰ **المدينة العلمية** ایک ایسا تحقیقی و اشاعتی ادارہ ہے جو علمائے اہلسنت خصوصاً اعلیٰ حضرت امام اہلسنت مولانا شاہ احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کی گراں مایہ تصنیفات کو عصر حاضر کے تقاضوں کے پیش نظر سہل ترین اسلوب میں پیش کرنے کا عزم رکھتا ہے الحمد للہ ﷻ اس انقلابی عزم کی تکمیل اپنے ابتدائی مراحل میں داخل ہو چکی ہے۔

**المدينة العلمية** کا منصوبہ بفضلہ تعالیٰ وسیع پیمانہ پر مشتمل ہے جس میں علوم مروّجہ کی تقریباً ہر صنف پر تحقیقی و اشاعتی کام شامل منشور ہے یوں وقتاً فوقتاً گراں قدر اسلامی تحقیقی لٹریچر منظر عام پر لا کر متعارف کروایا جائے گا اور علوم اسلامیہ کے محققین حضرات کے ذوق تحقیق کی تسکین کا بھی وسیع پیمانہ پر سامان کیا جائے گا نیز مروّز زمانہ کی وجہ سے جن تصنیفات کا لب و لہجہ اور انداز تفہیم متاثر ہو چکا ہے ان کو نئے اسلوب و آہنگ اور جدید انداز تفہیم سے آراستہ کر کے ایک عام پڑھ لکھے فرد کیلئے قابل مطالعہ بنانا بھی **المدينة العلمية** کی بنیادی ترجیحات میں شامل ہے۔

امام اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے **المدينة العلمية** ایک مضبوط و مستحکم لائحہ عمل کا حامل ہے جو اس کے قیام کی اغراض میں سے سب سے اولین ترجیح ہے۔ امام اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ کی علمی و تحقیقی تصنیفات بلاشبہ علوم اسلامیہ کا شاہکار ہیں مگر عصر حاضر میں نشرو

اشاعت کے جوئے رجحانات متعارف ہو چکے ہیں ان کا تقاضہ ہے کہ علوم اسلامیہ کے ان شہ پاروں کو حواشی و تہلیل کے زیور سے آراستہ کر کے شائع کیا جائے جس سے نہ صرف یہ فائدہ ہو گا کہ ان تصنیفات کی مقبولیت میں اضافہ ہوگا بلکہ ہر عام و خاص یکساں طور پر ان سے مستفید بھی ہو سکے گا۔

اس کے علاوہ دیگر جدید و قدیم علمائے اہلسنت علیہم الرحمۃ کی تصنیفات کو جمع تراجم، حواشی، تخریج اور شروع کے منظر عام پر لایا جا رہا ہے جن میں نصابی اور غیر نصابی دونوں طرح کی تصنیفات شامل ہیں، نصابی کتب کے حوالے سے یہ امر قابل ذکر ہے کہ نہ صرف دینی مدارس کی نصابی کتب پر کام ہو رہا ہے بلکہ اسکول، کالج اور جامعات کی نصابی کتب پر بھی کام منشور میں شامل ہے اس قدر وسیع پیمانہ پر تحقیقی کام یقیناً بغیر تعاون کے ناممکن العمل ہے لہذا اسلامی علوم کے شائقین کے ہر طبقہ سے گزارش ہے کہ تحقیق و اشاعت کے اس میدان میں ہمارے ساتھ علمی و قلمی تعاون کے سلسلے میں رابطہ فرمائیے۔ آئیے مل کر علوم اسلامیہ کے تحقیقی و اشاعتی انقلاب کے لئے صف بہ صف کھڑے ہو جائیں اور اپنی قلمی کاوشوں سے اس کی بنیادوں کو مضبوط کریں۔

ع      صلوائے عام ہے یا ران نکتہ داں کیلئے

Email: [ilmia26@hotmail.com](mailto:ilmia26@hotmail.com)

P.O. Box.: 18752

۵  
فہرست

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	حدیث ۱	۷
۲	حدیث ۲	۱۶
۳	آمین بالجہر	۱۸
۴	حدیث ۳	۲۱
۵	ایک شبہ	۲۵
۶	حضرات صحابہ کرام <small>رضی اللہ عنہم</small>	۲۷
۷	حضرت سیدنا ابوبکر صدیق <small>رضی اللہ عنہ</small>	۲۸
۸	حضرت سیدنا عمر فاروق <small>رضی اللہ عنہ</small>	۲۸
۹	حضرت سیدنا علی المرتضیٰ <small>رضی اللہ عنہ</small>	۲۹
۱۰	حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود <small>رضی اللہ عنہ</small>	۳۰
۱۱	حدیث ۴	۳۱
۱۲	ظہر کا مسنون وقت	۳۱
۱۳	حدیث ۵	۳۶
۱۴	حدیث ۶	۳۷
۱۵	حدیث ۷	۳۹
۱۶	حدیث ۸	۴۴

۴۴	تا خیر عشاء	۱۷
۴۶	حدیث ۹	۱۸
۴۶	جمع بین الصلواتین	۱۹
۵۱	حدیث ۱۰	۲۰
۵۲	حدیث ۱۱	۲۱
۵۵	حدیث ۱۲	۲۲
۵۷	حدیث ۱۳	۲۳
۵۸	حدیث ۱۴	۲۴
۵۹	حدیث ۱۵	۲۵
۶۲	حدیث ۱۶	۲۶
۶۳	حدیث ۱۷	۲۷
۷۳	حدیث ۱۸	۲۸
۷۴	حدیث ۱۹	۲۹
۷۵	حدیث ۲۰	۳۰
۷۶	حدیث ۲۱	۳۱
۷۸	بلند آواز سے آمین کہنا	۳۲
۷۸	حدیث ۲۲	۳۳
۸۰	حدیث ۲۳	۳۴
۸۵	رفع یدین	۳۵

۸۵	حدیث ۲۴	۳۶
۸۶	اعتراض	۳۷
۸۷	حدیث ۲۵	۳۸
۸۹	حدیث ۲۶	۳۹
۹۰	حدیث ۲۷	۴۰
۹۱	حدیث ۲۸	۴۱
۹۲	حدیث ۲۹	۴۲
۹۳	حدیث ۳۰	۴۳
۹۴	حدیث ۳۱	۴۴
۹۵	حدیث ۳۲	۴۵
۹۸	حدیث ۳۳	۴۶
۹۸	حدیث ۳۴	۴۷
۹۹	حدیث ۳۵	۴۸
۱۰۰	حدیث ۳۶	۴۹
۱۰۱	حدیث ۳۷	۵۰
۱۰۲	حدیث ۳۸	۵۱
۱۰۳	حدیث ۳۹	۵۲
۱۰۴	حدیث ۴۰	۵۳



## کچھ مصنف علیہ الرحمۃ کے بارے میں

فقیر اعظم مولانا ابویوسف محمد شریف قدس سرہ (کوٹلی لوہاراں، سیالکوٹ)

حنفیت و سنیت کے بطل جلیل مولانا محمد شریف ابن مولانا عبدالرحمن سیالکوٹی کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے، علوم دینیہ کی تکمیل والد ماجد سے کی، ان کے وصال کے بعد برصغیر پاک و ہند کے ممتاز علماء سے کسب فیض کیا۔ حضرت خواجہ حافظ عبدالکریم نقشبندی کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے اور خلافت سے مشرف ہوئے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ سے بھی اجازت و خلافت حاصل تھی۔ فقیر اعظم کا لقب آپ ہی نے عطا فرمایا تھا۔ حضرت فقیر اعظم نے فقہ حنفی کی بے بہا خدمات انجام دی ہیں۔ ہفت روزہ ”اہل حدیث“ امرتسر میں آئے دن اہل سنت احناف کے خلاف مضامین شائع ہوتے رہتے تھے۔ حضرت فقیر اعظم کی کوششوں سے امرتسر ہی سے ”الفقیہ“ کے نام سے ہفت روزہ جاری ہوا جس میں ان اعتراضات کے جوابات نہایت تحقیق و متانت سے دئے جاتے تھے۔ اس جریدے کے علاوہ دیگر مؤقر جرائد میں بھی آپ کے مضامین شائع ہوتے رہے ہیں۔ آپ عالم شریعت اور شیخ طریقت ہونے کے ساتھ ساتھ مقبول ترین مقرر بھی تھے۔ وعظ و ارشاد میں اپنا ایک مخصوص اسلوب رکھتے تھے۔

حضرت فقیر اعظم نے پنجاب کے اطراف و اکناف کے علاوہ کلکتہ اور بمبئی وغیرہ مقامات تک سنیت و حنفیت کا پیغام پہنچایا۔ آل انڈیائی کانفرنس،

بنارس کے تاریخی اجلاس میں شرکت فرمائی اور تحریکِ پاکستان کی حمایت میں جگہ جگہ تقریریں کیں اور مسلمانوں کو مسلم لیگ کی حمایت و معاونت پر تیار کیا۔ آپ کے مریدین کا حلقہ نہایت وسیع ہے جو ملک کے طول و عرض میں موجود ہے۔

آپ نے تصنیف و تالیف کی طرف بھی توجہ فرمائی، چند تصانیف یہ ہیں:-

- ۱۔ تائید الامام: (حافظ ابو بکر ابن ابی شیبہ کی تالیف الرد علی ابی حنیفہ کا محققانہ رد) ۲۔ نماز حنفی مدلل ۳۔ صداقت الاحناف ۴۔ کتاب التراویح ۵۔ ضرورت فقہ ۶۔ کشف الغطاء ۷۔ اربعین نبویہ ۸۔ اربعین حنفیہ۔

آپ نے ۹۰ سال کی عمر میں ۱۵ جنوری ۱۹۵۱ء میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ دورے والی مسجد کو ٹولی لوہاراں ضلع سیالکوٹ میں آپ کا مزار پر انوار ہے۔

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نحمدہ، ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

امّا بعد فقیر ابو یوسف محمد شریف کوٹلوی برادران اسلام کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ اس زمانہ میں جبکہ لوگ دین میں نہایت سست ہو گئے ہیں۔ نہ اسلام کی خبر نہ مذہب کا کچھ پتا۔ مخالفین اسلام دن بدن ترقی پر ہیں اور اسلام میں طرح طرح کے فساد برپا ہیں۔ شیعہ جو کہ اپنے مذہب کو چھپانا ثواب سمجھتے تھے آج اعلانیہ اپنے مذہب کی اشاعت میں سرگرم ہیں۔ اخباروں میں رسالوں میں اہل سنت کی تردید کر رہے ہیں۔ اسی طرح مرزائی (۱) کہ ان کا بچہ بچہ مناظر ہے کئی اخبار میں، ٹریکٹ (۲) مذہب کی اشاعت میں نکال رہے ہیں۔ اور وہابیوں کی تبلیغ تو یہاں تک اثر کر چکی ہے کہ لوگوں کو ان کے خروج کا احساس ہی نہیں ہو رہا۔ گاؤں گاؤں میں ان کی انجمنیں ہیں۔ وہ سب ایک کانفرنس کے ماتحت کام کر رہی ہیں۔ ان کے تنخواہی مبلغ شہر بہ شہر، دیہہ بدیہہ (۳) پھرتے ہیں۔ اور مذہب کی تبلیغ میں سر توڑ کوشش کر رہے ہیں۔ لِسَانُهُمْ اَحْلٰی مِنَ السُّكْرِ (۴) کا مصداق بن کر میٹھی میٹھی باتوں سے بھولے بھالے احناف کو دام تزویر (۵) میں پھاند لیتے ہیں۔ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کی بظاہر

---

(۱) مرزا غلام احمد قادیانی کے پیروکار۔ اس شخص نے اپنی نبوت کا دعویٰ کیا اور انبیاء کرام علیہم السلام کی شان میں نہایت بے باکی کے ساتھ گستاخیاں کیں۔ اور حضور ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کا انکار کیا (ملخص از بہار شریعت ۵۶/۱)۔ (۲) لٹریچر (۳) گاؤں گاؤں۔ (۴) اُن کی زبانیں شکر سے زیادہ میٹھی ہیں۔ (۵) دھوکہ بازی کے جال میں پھنسا لیتے ہیں۔

تعریف کرتے ہیں مگر حقیقت میں عوام کو مغالطہ میں ڈالتے ہیں مگر خفی (۱) ہیں کہ ان کی ظاہری حالت دیکھ کر ان پر فریفتہ (۲) ہو جاتے ہیں۔ کوئی تو رشتہ داری کے لحاظ سے، کوئی مالدار کی پاس سے، کوئی روزگار کی ضرورت کے لیے، کوئی تنخواہ کی ترقی کے لئے، کوئی محض جہالت سے وہابیت اختیار کر لیتا ہے۔ اسی طرح نیچری (۳) خیالات بھی بڑھ رہے ہیں۔ حدیث کے منکر (۴) بھی زوروں پر ہیں۔ رسائل نکالتے ہیں، مناظروں کا چیلنج دیتے ہیں۔ الغرض سب مذاہب اپنی اپنی اصلاح و ترقی میں کوشاں ہیں۔ اگر سست ہیں تو حضرات احناف چناں خفتہ اند کہ کوئی مردہ اند۔ (۵)

گروہ خفیہ کَثَرَهُمُ اللہ (۶) کے ہر طبقہ میں مذہب کی طرف سے لا پرواہی ہو گئی ہے۔ حضرات علماء جن کا وجود ہمارے لئے باعث فخر ہے بڑے بڑے اکابر بفضلہ تعالیٰ زندہ موجود ہیں جن کے مقابلہ کی کسی غیر مذہب کو جرأت نہیں ہو سکتی۔ مگر ان کے کان پر جوں تک نہیں رہتی (۷)۔ وہ دیکھتے

---

(۱) امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے پیروکار (۲) قربان (۳) سید احمد خان علی گڑھی کے پیروکار۔ یہ شخص فرشتوں کے وجود کا منکر تھا اور انگریز کا حامی اور وظیفہ خور تھا۔ اسکے عقائد ملاحظہ فرمائیں: ”فصاحت و بلاغت کو قرآن مجید کا معجزہ سمجھنا صحیح نہیں“ قرآن مجید میں موجود سابقہ انبیاء اکرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قصوں کو من گھڑت اور محض خیالی قصے کہا ہے۔ ایک اور جگہ لکھا ”خدا نہ ہندو ہے نہ عربی مسلمان نہ مقلد نہ لامذہب نہ یہودی نہ عیسائی وہ تو پکا چھٹا ہوا نیچری ہے معاذ اللہ تعالیٰ (خود نوشتہ ۲۳، ۴۱، ۸۰، ۱۲۴، ۱۲۸) (۴) عبد اللہ چکڑالوی کے پیروکار۔ اس شخص نے سید احمد علی گڑھی ہی کے عقائد کو فروغ دیا تفصیل کیلئے کتاب ”برطانوی مظالم کی کہانی“ کا مطالعہ فرمائیں (۵) ایسے سوئے ہیں کہ مردہ۔ (۶) اللہ تعالیٰ اُن کو زیادہ کرے (۷) بے پرواہ ہیں۔

ہیں کہ مذہب پر چاروں طرف سے حملہ ہو رہے ہیں۔ کوئی امام اعظم علیہ الرحمۃ کو کافر زندیق (۱) تک لکھ دیتا ہے۔ کوئی ہدایہ شریف (۲) پر سینکڑوں اعتراض کرتا ہے۔ کوئی دُرِّ مختار کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ کوئی تقلید کو حرام، شرک، بدعت قرار دیتا ہے۔ مگر وہ توجہ نہیں کرتے۔ نہ اخباروں میں مضمون دیتے ہیں، نہ کوئی ٹریکٹ شائع کرتے ہیں، نہ کوئی رسالہ ان کے جواب میں لکھتے ہیں۔

ادھر امراء کا یہ حال ہے کہ رات دن دنیا کے نشہ میں مست نہ نماز سے کام، نہ روزہ کا پتا، نہ حج نہ زکوٰۃ۔ صبح و شام نواہی (۳) میں مصروف۔ خبر ہی نہیں کہ اسلام کیا چیز ہے؟ بیٹے کی شادی رچائیں گے تو آتش بازی، ناچ، باجا وغیرہ واہیات اور فضول رسموں میں گھر بار لٹا دیں گے۔ مگر اشاعت اسلام و اشاعت مذہب میں ایک پیسہ تک خرچ کرنا فضول سمجھیں گے۔ اگر کوئی اہل علم اشاعت مذہب کیلئے کوئی رسالہ لکھے تو یہ متمول (۴) ایک نسخہ بھی خریدنے سے دریغ (۵) کریں گے۔ بخلاف اس کے دوسرے مذاہب کے امراء اپنے خرچ سے چھپوا کر مفت تقسیم کراتے ہیں۔ رہے حضرات صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ جن کے اشارہ سے سینکڑوں مرحلے طے ہو جاتے ہیں۔ مگر یہ حضرات بھی ذکر و مراقبہ میں ایسے مستغرق ہیں کہ انہیں خبر ہی نہیں کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ ایسے وقت میں جبکہ علماء کی سخت ضرورت ہے، ان کا جمود (۶) کیا رنگ لائے گا؟ اگر یہ حضرات اس طرف توجہ فرماتے تو ہر سال علماء کی ایک جماعت تیار کر سکتے

(۱) بے دین۔ (۲) دیکھو الجرح علی ابی حنیفۃ رحمہ اللہ مؤلفہ محمد دہلوی۔ (۳) ناجائز امور

(۴) مالدار (۵) انکار۔ تامل (۶) ٹھہراؤ

تھے۔ مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ انہوں نے اس طرف توجہ ہی نہیں کی۔ ایک حضرت اقدس قبلہ علی پوری مدظلہ ہیں جنہوں نے مدرسہ نقشبندیہ جاری کیا ہوا ہے مگر افسوس کہ وہ مدرسہ بھی ہماری امیدوں کے مطابق ترقی نہیں کر سکا۔

کتب حدیث (۱) کا ترجمہ آج تک کسی حنفی نے نہیں کیا۔ صحاح ستہ کا ترجمہ اردو میں وہابیوں نے کیا ہے جس میں جا بجا انہوں نے حنفی مذہب کی تردید کی ہے۔ مؤطا امام محمد و آثار امام محمد کا ترجمہ بھی وہابیوں نے کیا ہے۔ اگر کوئی اہل علم شاذ و نادر اس طرف توجہ بھی کرے تو پھر مصارف طبع (۲) کہاں سے لائے؟ غرباء کے پاس پیسہ نہیں امراء کو مذہب کی ضرورت نہیں۔ اگر کوئی صاحب اپنی ضروریات سے بچا کر کوئی کتاب یا رسالہ طبع کرائے تو کوئی اس کا خریدار نہیں بنتا۔ پھر یا تو وہ کتابیں جمع پڑی رہیں یا مفت تقسیم کی جائیں۔ اگر مفت تقسیم ہوں تو دوسری کتاب کے طبع کیلئے مصارف کہاں سے لائیں؟ غرض بڑی مشکل ہے۔ بہر حال میں نے ایک حدیث میں دیکھا کہ سرور عالم ﷺ نے فرمایا جو شخص میری امت میں سے چالیس حدیثیں جو کہ دین کے بارے میں ہوں یاد کرے تو اللہ تعالیٰ اُس کو فقہاء و علماء کے زمرہ میں اٹھائے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو فقیہ عالم مبعوث کرے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ میں اس کے لئے شافع و شہید بنوں گا (۳)۔ ایک روایت میں

---

(۱) یہ کتاب تقریباً ستر سال پہلے شائع ہوئی تھی اب الحمد للہ رحمۃ اللہ علیہ علماء اہل سنت نے تقریباً احادیث کی بیشتر کتب کے اردو تراجم کر دیئے ہیں جو شائع بھی ہو چکے ہیں۔ (۲) چھپائی کے اخراجات۔ (۳) مشکوٰۃ المصابیح کتاب العلم ص ۳۶۔

ہے کہ اس کو حکم ہوگا کہ جنت کے جس دروازے کے راستہ تو چاہے داخل ہو (اربعین نوویہ) تو میں نے بھی اسی امید پر چالیس حدیثیں لکھنی شروع کیں اور ارادہ کیا کہ اخبار الفقہ (امرتسر) میں شائع کی جائیں۔ پھر اگر کسی عالی ہمت نے توجہ کی تو علیحدہ بصورت رسالہ بھی طبع کی جائیں گی۔ امید ہے کہ حضرات احناف ان احادیث کو حفظ کر کے ثواب حاصل کریں گے اور اپنے مذہب کو بھی غیر کی دستبرد (۱) سے بچائیں گے۔ وہا انا اشرع فی المقصود بتوفیق اللہ الودود (۲)۔ فقیر ابو یوسف محمد شریف عفی اللہ عنہ

## حدیث { ۱ }

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ :  
 قَالَ : رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا الْأَعْمَالُ  
 بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوَىٰ فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ  
 وَرَسُولِهِ فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى  
 دُنْيَا يُصِيبُهَا أَوْ امْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا هِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ۔  
 مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ (۳)

(۱) قبضہ، چنگل۔ (۲) اور اللہ الودود کی توفیق سے میں اپنے مقصود کو شروع کرتا ہوں۔ (۳) صحیح

البخاری ۳/۱، الصحيح لمسلم ۱۴۰۶، سنن ابی داؤد ۳۰۰۶، النسائی ۲۴/۱

ترجمہ:- حضرت سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے، فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے، سوائے اس کے نہیں اعمال (کا اعتبار اور خدا کی درگاہ میں قبولیت) نیتوں (۱) کے ساتھ ہے۔ یعنی کوئی عمل بدون

(۱) امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں: بیشک جو علم نیت جانتا ہے ایک ایک فعل کو اپنے لئے کئی کئی نیکیاں کر سکتا ہے مثلاً، جب نماز کیلئے مسجد کو چلا اور صرف یہی قصد ہے کہ نماز پڑھوں گا تو بے شک اس کا یہ چلنا محمود، ہر قدم پر ایک نیکی لکھیں گے اور دوسرے پر گناہ جو کریں گے، مگر عالم نیت اس ایک فعل میں اتنی نیتیں کر سکتا ہے (۱) اصل مقصود یعنی نماز کو جاتا ہوں (۲) خانہ خدا کی زیارت کروں گا (۳) شعار اسلام ظاہر کروں گا (۴) داعی الی اللہ کی اجابت کرتا ہوں (۵) تحیۃ المسجد پڑھنے جاتا ہوں (۶) مسجد سے خس و خاشاک وغیرہ دور کروں گا (۷) اعتکاف کرنے جاتا ہوں کہ مذہب مفتی بہ پر (نفل) اعتکاف کیلئے روزہ شرط نہیں۔ ایک ساعت کا بھی ہو سکتا ہے، جب سے داخل ہو باہر آنے تک اعتکاف کی نیت کرے۔ انتظار نماز و ادائے نماز کے ساتھ اعتکاف کا بھی ثواب پائے گا۔ (۸) امر الہی ”خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ“ (اپنی زینت لو جب مسجد جاؤ) کے امتثال کو جاتا ہوں۔ (۹) جو وہاں علم والا ملے گا اس سے مسائل پوچھوں گا، دین کی باتیں سیکھوں گا (۱۰) جاہلوں کو مسئلہ بتاؤں گا، دین سکھاؤں گا (۱۱) جو علم میں میرے برابر ہوگا اس سے علم کی تکرار کروں گا (۱۲) علماء کی زیارت (۱۳) نیک مسلمان کا دیدار (۱۴) دوستوں سے ملاقات (۱۵) مسلمانوں سے میل (۱۶) جو رشتہ دار ملیں گے ان سے بکشادہ پیشانی مل کر صلہ رچی (۱۷) اہل اسلام کو سلام (۱۸) مسلمانوں سے مصافحہ کروں گا (۱۹) ان کے سلام کا جواب دوں گا (۲۰) نماز باجماعت میں مسلمانوں کی برکتیں حاصل کروں گا (۲۱) و (۲۲) مسجد میں جاتے نکلنے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام عرض کروں گا (۲۳) و (۲۴) دخول و خروج میں حضور و آل حضور و ازاواج حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجوں گا اللہم صلی علی سیدنا محمد وعلی ال سیدنا محمد وعلی اذواج سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم (۲۵) بیمار کی مزاج پرسی کروں گا (۲۶) اگر کوئی غمی والا ملا تعزیت کروں گا (۲۷) جس مسلمان کو چھینک آئی اور اس نے الحمد للہ کہا اسے یوحنا اللہ کہوں گا (۲۸) امر بالمعروف (۲۹) و نبی عن المنکر کروں گا (۳۰) نمازیوں کو وضو کا پانی دوں گا (۳۱) و (۳۲) خود مؤذن ہے، یا مسجد میں کوئی مؤذن مقرر نہیں تو نیت کرے کہ اذان و اقامت کہوں گا۔ اب یہ کہنے نہ پایا یا دوسرے نے کہہ دی تاہم اپنی نیت کا ثواب پاچکا، فَقَدْ وَقَعَ أَجْرًا، عَلَی اللہ (۳۳) جو راہ بھولا ہوگا اُسے راستہ بتاؤں گا (۳۴) اندھے کی دیکھیری کروں گا (۳۵) جنازہ ملا تو نماز پڑھوں گا (۳۶) موقع پایا تو ساتھ دفن تک جاؤں گا۔ (۳۷) دو مسلمانوں میں نزاع ہوئی ۝



نیت معتبر اور مقبول نہیں۔ اور کسی آدمی کو اس کے کام میں حصہ یا ثواب نہیں مگر وہی جو اس نے نیت کی پس جس شخص کی ہجرت محض خدا ﷻ اور اس کے رسول ﷺ کیلئے ہو (یعنی اس کی نیت میں طلبِ رضا و امتثال امر شارع (۱) ہو) تو اس کی ہجرت خدا ﷻ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے ہے۔ (یعنی مقبول ہے اور اس پر ثواب عظیم مترتب ہوتا ہے) اور جس کی ہجرت محض حصول دنیا کے لئے ہو یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لئے ہجرت کرتا ہو (خدا ﷻ اور رسول ﷺ کی رضا مندی کیلئے نہ ہو) تو اس کی ہجرت اسی چیز کی طرف ہے جس کی طرف اس نے ہجرت کی یعنی حصول دنیا یا نکاح۔ اس کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔

اس حدیث میں بڑا علم ہے۔ امام شافعی و احمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو ثلث اسلام یا ثلث علم فرمایا ہے۔ بیہقی نے اس کی توجیہ یہ

➤ تو حتی الوسع صلح کراؤں گا (۳۸) و (۳۹) مسجد میں جاتے وقت دہنے، اور نکلتے وقت بائیں پاؤں کی تقدیم سے اتباع سنت کروں گا۔ (۴۰) راہ میں جو لکھا ہوا کاغذ پاؤں گا اٹھا کر ادب سے رکھ دوں گا۔ الی غیر ذلک من نیات کثیرہ۔ تو دیکھئے کہ جو ان ارادوں کے ساتھ گھر سے مسجد کو چلا وہ صرف حسنہ نماز کیلئے نہیں جاتا بلکہ ان چالیس حسنات کیلئے جاتا ہے۔ تو گویا اس کا یہ چلنا چالیس طرف چلنا ہے اور ہر قدم چالیس قدم، پہلے اگر ایک نیکی تھا اب چالیس نیکیاں ہوگا۔ فتاویٰ رضویہ ۵/۱۶۷ (تسہیل و تخریج شدہ)۔ (نیت کی مزید نفیس بحث فیضانِ احیاء العلوم میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ ﷻ و رسول ﷺ کے حکم کی پیروی

فرمائی ہے کہ علم یا دل سے ہوتا ہے یا زبان سے یا بقیہ اعضاء سے اور نیت عمل دل کا ہے۔ اس لئے یہ حدیث علم کا تیسرا حصہ ہوئی۔ مرقاة (۱)

اکثر مصنفین اصلاح نیت کے لئے اپنی کتابوں کو اسی حدیث سے شروع کیا کرتے تھے۔ اس حدیث میں جناب رسول کریم ﷺ نے اخلاص کی ہدایت فرمائی ہے۔ اور ہر عمل کے ثواب کو نیت پر موقوف فرمایا ہے۔ اگر اعمال میں نیت نیک ہے تو ثواب ہے ورنہ نہیں۔ ہجرت ایک عمل ہے اگر اس میں حق سبحانہ و تعالیٰ کی رضا اور امتثال امر مقصود ہے تو موجب برکات ہے۔ اگر یہ نہیں تو کچھ نہیں۔ اسی طرح انسان جو عمل کرتا ہے اگر اس میں رضائے حق مقصود ہے تو باعث اجر ہے ورنہ نہیں۔ اب اس حدیث سے جو فوائد مستنبط (۲) ہو سکتے ہیں وہ سنو اور خوب یاد رکھو۔

۱۔ ایک شخص اپنے قریبی کو کچھ خیرات دیتا ہے۔ اگر صرف اس کی غریبی کا خیال کر کے دیتا ہے۔ صلہ رحمی کی نیت نہیں تو صدقہ کا ثواب پائے گا۔ لیکن صلہ رحم نہ ہوگا۔ اگر محض صلہ رحمی کے لئے دیتا ہے تو صلہ رحم کا ثواب ہوگا۔ صدقہ کا ثواب نہ ہوگا۔ اگر دونوں نیت کرے تو دونوں ثواب پائے گا۔ معلوم ہوا کہ ایک کام میں متعدد نیتیں کرنے سے ہر ایک نیت پر ثواب ملتا ہے۔

۲۔ مثلاً مسجد میں بیٹھنا ایک عمل ہے اگر اس میں بہ نیت اعتکاف بیٹھے تو اعتکاف کا ثواب پائے گا۔ اگر نیت اعتکاف کے ساتھ یہ نیت بھی ہو کہ جماعت کا انتظار ہے تو بحکم حدیث (جماعت کا منتظر نماز میں ہے) اس کو نماز کا ثواب بھی ملے گا (۱)۔ پھر اسکے ساتھ اگر یہ نیت کرے کہ آنکھ کان اور تمام اعضاء کی جملہ منہیات (۲) سے حفاظت ہوگی تو یہ ثواب بھی حاصل ہوگا۔ پھر اس پر یہ نیت بھی کرے کہ صلوٰۃ و سلام آنحضرت ﷺ پر بیٹھ کر پڑھوں گا تو اس کا ثواب بھی پائے گا۔ اگر یہ نیت بھی کرے کہ حج و عمرہ کا ثواب ملے (جیسے کہ حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص وضو کر کے مسجد میں جاوے اس کو حج و عمرہ کا ثواب ملتا ہے) تو اس کو یہ ثواب بھی ملے گا (۳)۔ پھر اس پر یہ نیت بھی کرے کہ مسجد میں علم کا افادہ یا استفادہ ہوگا یا امر معروف اور نہی منکر حاصل ہوگا تو اس ثواب کو بھی ضرور حاصل کر لے گا۔ پھر اگر یہ نیت بھی کرے کہ کوئی دینی بھائی مسجد میں ملے گا اس کی زیارت سے مستفیض ہوں گا تو یہ اور اجر ہوگا۔ اسی طرح اگر نیت تفکر (۴) و مراقبہ (۵) کی کرے کہ مسجد میں تنہا ہو کر دل کی جمعیت (۶) کے ساتھ مراقبہ کروں گا تو یہ اجر بھی پائے گا۔ الغرض جتنی نیتیں کرے گا سب کا ثواب پائے گا کیونکہ حدیث شریف کے الفاظ اِنَّمَا لِامْرِئٍ مَّا نَوَىٰ کا یہی مطلب ہے کہ جو نیت کرے گا وہ پائے گا۔

(۱) صحیح البخاری ۱/۹۰ (۲) ممنوع باتوں سے (۳) سنن ابی داؤد ۱/۲۳۱۔

(۴) غور و فکر، سوچ بچار۔ (۵) حضوری دل سے اللہ ﷻ کا دھیان کرنا۔ (۶) یکسوئی

۳۔ اسی طرح اگر کسی میت کے ساتھ کوئی شخص نقدی یا غلہ قبر پر لے جائے۔ اور اس کی نیت یہ ہو کہ قبر پر مساکین جمع مل سکتے ہیں۔ نیز عام مساکین جنازے میں شامل ہو جاتے ہیں۔ تو کوئی حرج نہیں ہے۔ میت کیلئے جو کچھ دیا جائے گا حق سبحانہ و تعالیٰ اس کا ثواب اس میت کو ضرور پہنچائے گا۔ ہاں اگر اس کی نیت درست نہیں بلکہ محض دکھاوا مقصود ہے تو خواہ گھر کی کوٹھڑی میں بیٹھ کر خیرات کرے گا اس کا کچھ ثواب نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ نیت صحیح نہیں۔ معلوم ہوا کہ اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے۔ اگر نیت خدا ﷻ کے لئے اور ایصال ثواب ہے تو قبر پر لے جانے سے کوئی حرج واقعہ نہیں ہوتا اور اگر نیت میں ریا ہے تو گھر میں بھی کچھ نہیں۔ لہذا مسلمانوں کو لازم ہے کہ ایسے امور میں نیت صحیح ہو۔ نہ یہ کہ ایسے کام ہی چھوڑ دیں۔

۴۔ اسی طرح میت کے بعد تیسرے یا ساتویں یا دسویں یا چالیسویں دن کھانا پکا کر مساکین کو کھلایا جائے (۱)۔ اس میں بھی اگر وارثوں کی نیت یہ ہے کہ ان دنوں میں مساکین جمع ہو جاتے ہیں یا دوسرے خویش واقارب (۲) آ جاتے ہیں یا معین کرنے کے سبب کچھ نہ کچھ ادا ہو جاتا ہے نہ معین کرنے سے رہ جاتے ہیں تو معین کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اگر نیت ہو کہ ان اوقات

(۱) حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمۃ نے اس موضوع پر جاء الحق ص ۲۳۷ میں تفصیلی کلام

فرمایا ہے۔ (۲) قریبی رشتہ دار۔

مخصوصہ میں کھانا کھلانا تو پہنچتا ہے آگے پیچھے کا ثواب نہیں پہنچتا۔ تو یہ نیت غلط ہے۔ اس کی اصلاح کر دینی چاہیے کہ میت کو جس روز کچھ ثواب پہنچانا چاہے پہنچتا ہے۔ کھانا ہو یا نقدی یا قرآن تخصیص ایام (۱) کوئی ضروری نہیں۔ اگر کوئی مصلحت ہو تو حرج بھی نہیں۔ معلوم ہوا کہ نیت پر اعمال کا مدار ہے۔ نیت ایصال ثواب ہے تو جس روز دے گا ثواب پہنچے گا۔ تیسرا دن ہو یا ساتواں یاد سوال۔ اگر نیت ریا ہے تو سب کچھ بے کار ہے۔

۵۔ اسی طرح اگر میت کے بعد لوگ بیٹھتے ہیں اور کلمہ پڑھتے ہیں۔ ان کی نیت یہ ہوتی ہے کہ خالی چپ چاپ بیٹھنے سے بجز حقہ کشی (۲) اور واہیات (۳) فضول باتوں کے اور کوئی بات نہیں ہوتی۔ اگر کلمہ طیبہ جس کی نسبت حدیث شریف (۴) میں ”أَفْضَلُ الدِّكْرِ“ آیا ہے پڑھتے رہیں تو یقیناً موجب برکت ہے۔ پھر اگر محض روایات کے مطابق ستر ہزار بار ہو جائے اور میت کو بخشا جائے تو امید مغفرت ہے۔ تو کیا وجہ ہے کہ بموجب حدیث **إِنَّمَا لِأَمْرِي مَانَوِي** کلمہ پڑھنے والوں کو ان کی نیت کے مطابق ثواب نہ ملے۔ جب حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ اعمال کا مدار نیت پر ہے اور ہر شخص کو وہی ملے گا جو اس نے نیت کی۔ تو ضرور اجر ملے گا۔ پھر وہ میت کو بخشش کے تو ضرور میت کو بھی پہنچے گا (۵)۔

(۱) دنوں کو خاص کرنا۔ (۲) حقہ پینا۔ (۳) فحش اور گندی باتیں۔ (۴) شعب الایمان ۴/۹۰۔

(۵) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے عرض کی، یا رسول اللہ

ﷺ میری والدہ فوت ہوگئی ہیں اور انہوں نے کسی قسم کی وصیت ۛ

۶۔ اسی طرح مجلس میلاد کا کرنا اور جلوس نکالنا ہے۔ تاکہ رسول کریم ﷺ کی شان ظاہر ہو اور اسلام کی عزت و عظمت و ہیبت مخالفین اسلام کے دلوں میں جاگزیں (۱) ہو۔ تو اسی حدیث کی رو سے جائز ہے کہ اس کی نیت نیک ہے۔

۷۔ اسی طرح ہر وہ کام جس کی ممانعت رسول کریم ﷺ نے نہ فرمائی ہو نیک نیت کے ساتھ جائز اور کارِ ثواب ہے۔

۸۔ قرآن شریف جنابت کی حالت میں پڑھنا منع ہے لیکن اگر بہ نیت دعا پڑھے تو درست ہے۔ مثلاً وہ آیات جن میں دعا ہے جنہی کو بہ نیت قراءت قرآن پڑھنا حرام اور بہ نیت دعا جائز۔ (۲)

۹۔ اسی طرح جنازہ میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا امام اور مقتدی دونوں کے لئے بہ نیت قراءت درست نہیں اور بہ نیت دعا درست ہے (۳)۔

الحاصل ہر کام میں نیک نیت ہونا چاہیے۔ حضرت سیدنا مولانا روم نے مثنوی شریف میں ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک شخص نے مسجد کے پاس اپنا مکان بنوایا اور مسجد کی طرف ایک دریچہ (۴) رکھا۔ اس کے پیر نے پوچھا کہ یہ

❦ نہیں کی اور میرا گمان ہے کہ اگر انہیں کلام کرنے کا موقع ملتا تو وہ صدقہ دیتیں پس کیا اگر میں ان

کی جانب سے صدقہ کروں تو ثواب پہنچے گا، تو آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں۔ الصحيح لمسلم

۲/۴۱، سنن ابی داؤد، ۲/۴۳ (۱) رنج بس جانا، چھاجانا۔

(۲) بہار شریعت ۲/۴۳۔ (۳) بہار شریعت ۴/۱۵۴۔ (۴) کھڑکی۔

دریچہ کس لئے رکھا ہے۔ اس نے کہا کہ ہوا کے لئے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر یہ نیت کرتا کہ یہ دریچہ محض اس لئے رکھا کہ مسجد سے اذان کی آواز آجائے یا جماعت کے کھڑے ہونے کا علم ہو جایا کرے تو ہوا خود بخود آجایا کرتی اور تجھے اس کا ثواب (بھی) ہوتا۔

۱۰۔ اشعة اللمعات میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ احادیث میں آیا ہے کہ جب ملائکہ بندوں کے اعمال آسمان پر لے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَلْقِ تِلْكَ الصَّحِيفَةَ اَلْقِ تِلْكَ الصَّحِيفَةَ اَسْ صَحِيفَةُ كُوْذَال (پھینک دے، اس صحیفہ کو ڈال دے۔ وہ فرشتہ عرض کرتا ہے کہ خدایا تیرے اس بندے نے نیک باتیں کیں نیک عمل کئے ہم نے سنا، دیکھا اس کی نیکیوں کے دفتر میں لکھا، اب اسے کس طرح ڈال دیں۔ حکم ہوگا کہ لَمْ يَرِدْ بِهِ وَجْهِي کہ اس بندہ نے اس عمل کے ساتھ میری رضا کا ارادہ نہیں کیا۔ یعنی اس کی نیت اس عمل میں میری رضا نہ تھی۔ اس لئے میرے حضور میں مقبول نہیں۔ اسی طرح ایک دوسرے فرشتے کو حکم ہوگا اُكْتُبْ لِفُلَانٍ كَذَا وَ كَذَا۔ فلاں بندہ کے اعمال نامہ میں فلاں فلاں نیک عمل لکھ دے۔ فرشتہ عرض کرے گا کہ خدایا اس نے تو یہ کام کیا نہیں تو کیسے لکھ دوں۔ حکم ہوگا کہ اس نے نیت کی تھی۔ اس کا ارادہ کرنے کا تھا مگر اس سے نہ ہو سکا۔ (۱) سبحان اللہ دیکھئے نیت نیک کرنے سے بغیر کئے اعمال کا ثواب مل

گیا اور بری نیت سے کئے ہوئے اعمال ضائع ہوئے۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو خلاص کی توفیق دے۔ (امین بجاہ النبی الامین ﷺ)

## حدیث { ۲ }

عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا بَعَثَهُ إِلَى الْيَمَنِ قَالَ كَيْفَ تَقْضِي إِذَا عَرَضَ لَكَ قِضَاءٌ؟ قَالَ أَقْضِي بِكِتَابِ اللَّهِ قَالَ فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فِي كِتَابِ اللَّهِ؟ قَالَ فَبِسُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فِي سُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَجْتَهِدُ رَأْيِي وَلَا أُلْوَا قَالَ فَضَرَبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي صَدْرِهِ قَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَفَّقَ رَسُولَ رَسُولِ اللَّهِ لِمَا يَرْضَى بِهِ رَسُولُ اللَّهِ - رواه الترمذی و أبو داؤد والدارمی (۱)

ترجمہ:- حضرت سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ان کو رسول اللہ ﷺ نے یمن کی طرف قاضی بنا کر بھیجا تو فرمایا کہ جب تجھے کوئی معاملہ پیش آئے تو تو کیسے فیصلہ کرے گا۔ حضرت سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں اللہ عز وجل کی کتاب کے ساتھ حکم کروں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر اللہ



عزّ وجل کی کتاب میں تو اس کا حکم نہ پائے تو پھر کیا کرے گا۔ انہوں نے عرض کی کہ رسول کریم ﷺ کی سنت کے ساتھ فیصلہ کروں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر تو رسول اللہ ﷺ کی سنت میں بھی اس حکم کو نہ پائے تو پھر کیا کرے گا؟ انہوں نے عرض کی کہ میں اپنی عقل اور رائے کے ساتھ اجتہاد کروں گا اور طلب ثواب میں کمی نہ کروں گا۔ حضرت سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں پھر رسول کریم رُوف رحیم ﷺ نے میرے سینہ پر ہاتھ مارا اور فرمایا الحمد للہ ﷻ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے قاصد کو اس چیز کی توفیق دی جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ ﷻ کا رسول ﷺ راضی ہے۔

۱۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ استخراج احکام میں قرآن مقدم ہے پھر حدیث۔

۲۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن کو کھینچ تان کر حدیث کے تابع نہیں کرنا چاہیے بلکہ حدیث کو قرآن کے تابع کرنا چاہیے۔ چنانچہ مسئلہ فاتحہ خلف الامام میں جو کہ مقلدین (۱) اور غیر مقلدین (۲) کا متنازعہ فیہ (۳) مسئلہ ہے اس میں پہلے قرآن دیکھنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ﷻ قرآن شریف میں فرماتا ہے:

وَ إِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝

ترجمہ کنز الایمان: اور جب قرآن پڑھا جائے تو اُسے کان لگا کر سُنو اور

(۱) ائمہ شریعت کے پیروکار۔ (۲) تقلید کا انکار کرنے والے۔ (۳) باہمی جھگڑا۔

خاموش رہو کہ تم پر رحم ہو۔ (اعراف ۲۰۴/۹)

اور حدیث (۱) میں آیا ہے اس کی نماز نہیں جو الحمد نہ پڑھے۔ اب ہمیں حدیث کو تابع قرآن سمجھنا چاہیے کہ یہ حدیث امام اور منفرد کے لئے ہے مقتدی کیلئے نہیں۔ اس طرح آیت اور حدیث میں تطبیق بھی ہوگئی اور مطلب بھی صاف ہو گیا۔ لیکن اگر ہم آیت کو کھینچ تان کر یہ مطلب لیں کہ یہ آیت کافروں کے بارے میں ہے حالانکہ کسی حدیث میں اس کا نزول کفار کے بارے میں نہیں آیا۔ یا یہ کہیں کہ قرآن سے مراد آیت میں الحمد کے آگے سورت ہے۔ یا یہ کہیں کہ استماع (۲) و انصات (۳) کے یہ معنی ہیں کہ اونچی نہ پڑھو وغیرہ وغیرہ۔ تو اس صورت میں قرآن کو حدیث کے تابع کرنا ہے۔ جو حدیث مذکور کے خلاف ہے۔

آمین بالجہر: (۴)

۳۔ اسی طرح مسئلہ آمین بالجہر میں ہم پہلے قرآن کو دیکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً۔ (الاعراف ۵۵/۸)

ترجمہ کنز الایمان: اپنے رب سے دُعا کرو گڑ گڑاتے اور آہستہ۔

اور ظاہر ہے کہ آمین دعا ہے۔ اصل دعا میں اخفا (۵) ہے۔ تو اس آیت کو

(۱) الصحيح لمسلم ۱/۱۶۹۔ (۲) کان لگا کر سننا (۳) خاموش رہنا

(۴) اونچی آواز سے آمین کہنا۔ (۵) آواز پست یعنی ہلکی کرنا۔

مقدمہ سمجھ کر اصل آئین میں اخفا سمجھنا چاہیئے۔ اور اگر کسی حدیث میں رسول کریم ﷺ کا آئین کہنا ذرا آواز کھینچ کر بھی آیا ہو تو اسے تعلیم پر حمل کرنا چاہیئے۔ نہ یہ کہ حدیث کو تو کچھ نہ کیا جائے اور آیت کا کوئی اور مطلب گھڑا جائے۔

### تقلید: (۱)

۴۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تقلید صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانے میں پائی جاتی تھی بلکہ رسول اللہ ﷺ نے تقلید کا ارشاد فرمایا کیونکہ حدیث میں جب کسی مسئلہ کا قرآن و حدیث سے فیصلہ نہ ہو تو حضرت سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد اور رائے کے ساتھ فیصلہ کرنا کہا اور حضور ﷺ نے پسند فرمایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ حضرت سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ اجتہاد سے فیصلہ کریں اور دوسرے مسلمان اس فیصلہ کو تسلیم کریں۔ کیونکہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ نے قاضی بنا کر بھیجا۔ تو اگر لوگ ان کے فیصلہ کو قبول نہ کریں تو وہ قاضی کیسے ہوئے؟ اور کسی کے اجتہاد کو بلا معرفت دلیل قبول کرنا بھی تقلید ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ سرور عالم ﷺ نے حضرت سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کو یہ نہیں فرمایا کہ اگر کوئی مسئلہ قرآن یا حدیث سے نہ ملے تو مجھ سے دریافت کر لینا، کسی کو بھیج کر مجھ سے فیصلہ دریافت کر لینا۔ بلکہ ان کے اجتہاد کو پسند فرمایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ مجتہد، اگر قرآن و حدیث میں صریح (۲) مسئلہ نہ پائے تو اجتہاد اور قیاس سے

(۱) لغوی معنی ہیں کہ گلے میں ہار یا پٹہ ڈالنا اور اصطلاح میں کسی کے قول و فعل کو لازم جاننا یعنی اس کی پیروی کرنا۔ تقلید کی بحث جاء الحق میں ص ۲۳ پر ملاحظہ فرمائیں۔ (۲) واضح طور پر۔

جو حکم کرے اس کا حکم ماننا غیر مجتہد پر لازم ہے اور یہی تقلید ہے جو آپ ﷺ کے زمانہ میں آپ ﷺ کی اجازت سے لوگ کیا کرتے تھے۔

شیخ عبدالحق علیہ الرحمۃ اشعة اللمعات میں اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔ دریں حدیث دلیل است بر شریعت قیاس واجتہاد برخلاف اصحاب ظواہر کہ منکر قیاس اند۔ (۱)

### ایک شبہ:

بعض لوگ شبہ کرتے ہیں کہ حضرت سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث صحیح نہیں۔ علامہ ابن القیم اعلام الموقعین ص ۳۷ میں اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو سب اہل علم نے نقل کیا ہے اور اس کے ساتھ حجت پکڑی ہے۔ نیز اس کی ایک سند متصل بھی ہے جس کے رجال (۲) مؤثق (۳) ہیں۔ پھر بحوالہ خطیب نقل کرتے ہیں:

قَالَ أَبُو بَكْرٍ بْنُ الْخَطِيبِ وَقَدْ قِيلَ أَنَّ عِبَادَةَ بْنَ نَسِي  
رَوَاهُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ غَنَمٍ بْنِ مُعَاذٍ وَهَذَا إِسْنَادٌ مُتَّصِلٌ  
وَرِجَالُهُ مَعْرُوفُونَ بِالثَّقَةِ انتهی۔ (۴)

(۱) ترجمہ: قیاس اور اجتہاد کے شرعی ہونے پر اس حدیث میں دلیل ہے برخلاف اہل ظواہر کے کہ وہ قیاس کا انکار کرتے ہیں۔ (۲) راوی (۳) قابل اعتماد۔ (۴) ترجمہ: ابو بکر خطیب نے کہا ”اور کہا گیا ہے کہ عبادہ بن نسی نے عبد الرحمن بن غنم بن معاذ سے اس حدیث کو روایت کیا اور اس کی اسناد متصل ہیں اور اس کے رجال معروف بالثقة ہیں۔“

## حدیث { ۳ }

عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ :

سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ أَسْفَرُوا بِالْفَجْرِ فَإِنَّهُ أَكْثَرُ لِلْأَجْرِ - رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَأَبُو دَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ ( ۱ )

ترجمہ:- حضرت سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ سنا میں نے رسول کریم ﷺ کو آپ ﷺ فرماتے تھے کہ نماز فجر میں اسفار کرو یعنی روشنی میں ادا کرو۔ کیونکہ اس کا روشنی میں ادا کرنا اجر میں بہت بڑا ہے۔

ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز فجر کو اچھی روشنی میں پڑھنا بہت ثواب ہے۔ اور یہی مذہب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ ”أَشْعَةُ اللَّيْلِ“ ص ۳۲۰ میں فرماتے ہیں کہ اسفار کی حد ہمارے مذہب کے مشائخ سے اس طرح منقول ہے کہ چالیس آیت یا ساٹھ یا اس سے زیادہ سو آیت تک بطریق ترتیل قراءت (۲) پڑھ کر نماز ادا کرے۔ اگر بالفرض بعد فراغت نماز کوئی سہو اس کی

(۱) جامع الترمذی باب ما جاء بالاسفار بالفجر ۴۰/۱ السنن لابی داؤد

۶۱/۱، الدارمی ۳۰۰/۱۔ (۲) ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا

طہارت میں ظاہر ہو یا کسی وجہ سے نماز کو دہرا نا پڑے تو طلوع آفتاب سے پہلے پہلے اسی طرح قراءت مسنون کے ساتھ اس کا اعادہ (۱) ممکن ہو۔ بخاری شریف میں حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک روایت آئی ہے جو اس حدیث کی تائید کرتی ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ  
صَلَّى صَلَوةً لِغَيْرِ مِيقَاتِهَا إِلَّا صَلَوَتَيْنِ جَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ  
وَالْعِشَاءِ بِجَمْعٍ وَصَلَّى الْفَجْرَ قَبْلَ مِيقَاتِهَا۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ  
وَمُسْلِمٌ قَبْلَ وَقْتِهَا بِغَلَسٍ (۲)

حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو کبھی نہیں دیکھا کہ آپ ﷺ نے نماز کے غیر وقت میں نماز پڑھی ہو یعنی ہمیشہ حضور ﷺ نماز کو اس کے وقت میں ادا فرمایا کرتے تھے سوائے دو نمازوں کے کہ آپ ﷺ نے مغرب اور عشاء کو مزدلفہ میں جمع کیا اور فجر کو اس کے وقت سے پہلے پڑھا۔ صحیح مسلم میں ”قَبْلَ وَقْتِهِ“ کے آگے ”بِغَلَسٍ“ کا لفظ بھی آیا ہے۔ یعنی نماز فجر کو اس کے وقت سے پہلے غلس (۳) میں پڑھا۔ شارح صحیح مسلم امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ وقت سے پہلے تو اجماعاً نماز جائز نہیں۔ تو اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ

(۱) لوٹنا۔ (۲) صحیح البخاری ۲۲۸/۱ (۳) آخر رات کی تاریکی کو کہتے ہیں (یعنی فجر کا

آپ ﷺ نے وقت معتاد (۱) سے پہلے پڑھی یعنی مزدلفہ میں فجر اندھیرے میں پڑھی۔ اگرچہ بعد طلوع فجر پڑھی لیکن اندھیرے میں فجر پڑھنا چونکہ آپ ﷺ کی عادت نہ تھی اس لئے اس روز آپ ﷺ نے نماز فجر روزمرہ کے وقت معتاد سے پہلے پڑھی۔ بخاری و مسلم کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ روزمرہ آپ ﷺ کی عادت مبارکہ فجر نماز میں اسفار کرنا تھا۔ بعض نے اسفار کا معنی ظہور فجر کیا ہے اور یہ باطل ہے اس لئے کہ قبل ظہور تو نماز فجر جائز ہی نہیں۔ تو ثابت ہوا کہ اسفار سے مراد تنویر ہے یعنی خوب روشنی کرنا اور غلغلے کے بعد ہے یعنی زوال ظلمت کے بعد اور حضور نبی کریم ﷺ کا ”فَاتَّهْ، اَعْظَمُ لِلْاَجْرِ“ فرمانا اس بات پر دلیل ہے کہ نماز غلغلے میں بھی ہو جاتی ہے اور اس کا اجر ہے مگر اسفار میں زیادہ اجر ہے۔ تو اگر اسفار سے مراد وضو فجر ہو تو اس سے پہلے تو نماز ہی جائز نہیں۔ پھر وضو فجر میں زیادہ اجر کیسے ہوا؟

اس مضمون کی بہت حدیثیں آئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ فجر کی نماز اچھی روشنی میں پڑھنا مستحب ہے اور زیادہ اجر کا باعث ہے۔ سنن نسائی میں محمود بن لبید اپنی قوم کے چند انصار بزرگوں سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”مَا اَسْفَرْتُمْ بِالصُّبْحِ فَاتَّهْ، اَعْظَمُ لِلْاَجْرِ“ کہ صبح کا جس قدر اسفار کرو گے وہ اجر میں بڑا ہوگا (۲)۔ اس حدیث کو حافظ

(۱) وہ وقت جس میں حضور ﷺ عادتاً نماز فجر پڑھتے تھے۔ وقت مقررہ۔

زیلعی نے صحیح کہا تو اس حدیث سے اسفار کے معنی بھی معلوم ہو گئے کہ خوب روشنی کرنا ہے اور مخالفین کی تاویلات کی بھی تردید ہو گئی۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے حضرت سیدنا بلال کو فرمایا:

”يَا بَلَّالُ نَوِّرْ بِصَلَاةِ الصُّبْحِ حَتَّى يَبْصُرَ الْقَوْمُ مَوَاقِعَ نَبْلِهِمْ مِنَ الْأَسْفَارِ“۔

ترجمہ: اے بلال رضی اللہ عنہ! صبح کی نماز میں اتنی روشنی کیا کرو کہ لوگ اسفار کی وجہ سے اپنے تیروں کے گرنے کی جگہ دیکھ لیا کریں۔ اس حدیث کو ابو داؤد و طیالسی اور ابن ابی شیبہ و اسحاق بن راہویہ و طبرانی نے معجم میں روایت کیا۔ (صحیح بہاری جلد ۲ ص ۲۵۶) آثار السنن میں اس کی سند کو حسن کہا ہے۔ اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ فجر میں اسفار مستحب ہے۔ تیروں کے گرنے کی جگہ اسی وقت نظر آ سکتی ہے جب کہ اچھی روشنی ہو۔ ایک حدیث میں آیا ہے۔

”مَنْ نَوَّرَ الْفَجْرَ نَوَّرَ اللَّهُ فِي قَبْرِهِ وَقَلْبِهِ وَقَبْلَ صَلَوَاتِهِ“

رَوَاهُ الدَّيْلَمِيُّ

رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص فجر کو روشنی میں پڑھے اللہ تعالیٰ اس کی قبر اور اس کے دل کو روشن کرتا ہے اور اس کی نماز مقبول ہو جاتی ہے (صحیح بہاری)۔ (۱)



## ایک شبہ۔

بعض احادیث میں آیا ہے کہ رسول کریم ﷺ فجر کی نماز غلغلے یعنی اندھیرے میں پڑھتے تھے۔ عورتیں نماز فجر میں حاضر ہوتی تھیں۔ جب فارغ ہو کر گھروں میں جاتی تھیں تو بسبب اندھیرے کے پہچانی نہیں جاتی تھیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اندھیرا مسجد کے اندرونی حصہ میں ہوتا تھا نہ یہ کہ صحن میں بھی اندھیرا ہوتا تھا۔ اسفار کے وقت بھی مسجد کے اندرونی حصہ میں اندھیرا ہوا کرتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اتنا زیادہ اسفار نہ کرتے تھے کہ آفتاب کا طلوع قریب ہو جائے۔ کیونکہ حدیث میں آپ ﷺ کا اسفار میں نماز فجر پڑھنا ثابت ہے۔ چنانچہ حضرت سیدنا بیان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ رسول کریم ﷺ کی نماز کے اوقات بیان فرمائیے تو انہوں نے کہا کہ ظہر کی نماز زوال آفتاب کے بعد اور عصر کی نماز تمہارے ظہر و عصر کے درمیان پڑھا کرتے تھے۔ اور مغرب کی نماز غروب آفتاب کے وقت اور عشاء کی نماز غروب شفق (۱) کے وقت ”و یصلی الغداة عند طلوع الفجر حين یفسح البصر“ اور فجر کی نماز طلوع صبح کے بعد پڑھتے تھے جب کہ نگاہ کھلنے لگے یعنی دور دور کی چیزیں

---

(۱) شفق اس روشنی کو کہتے ہیں جو غروب آفتاب کے بعد آسمان کے غربی کنارے پر ظاہر ہوتی ہے اور یہ دو طرح کی ہے سرخ اور سفید پہلے سرخ آتی ہے پھر سفید جب سفید غروب ہو جائے تو نماز عشاء کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔

نظر آنے لگیں۔ اس حدیث کو ابو یعلیٰ نے روایت کیا۔ اس کی سند حسن ہے  
(مجمع الزوائد)۔

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں حضرت بیان رضی اللہ عنہ ہی سے روایت  
ہے کہ انہوں نے کہا سَمِعْتُ أَنَسًا يَقُولُ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ  
يُصَلِّي الصُّبْحَ حِينَ يَفْسَحُ الْبَصَرُ رَوَاهُ الْإِمَامُ أَبُو مُحَمَّدٍ  
الْقَاسِمُ بْنُ ثَابِتٍ السَّرْحَسِيُّ فِي كِتَابٍ غَرِيبٍ  
الْحَدِيثِ - (۱)

ترجمہ: حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ ایسے  
وقت میں نماز پڑھتے تھے کہ نگاہ دور تک پہنچ سکے۔ (ف) ان دونوں حدیثوں  
سے معلوم ہوا کہ رسول کریم ﷺ نماز صبح اسفار میں پڑھتے تھے۔  
طبرانی میں مجاہد سے روایت ہے وہ قیس بن سائب رضی اللہ عنہ سے روایت  
کرتے ہیں:

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي الْفَجْرَ حَتَّى يَتَغَشَّى النُّورُ  
السَّمَاءَ - (۲)

قیس کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ اس وقت فجر پڑھتے تھے جبکہ آسمان  
میں روشنی پھیل جاتی تھی۔ اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ فجر کی نماز

حضور ﷺ اسفار میں پڑھتے تھے۔ پس یا تو احادیث فعلیہ (۱) میں تطبیق (۲) کی جائیگی کہ اندھیرے سے مراد اندرونی حصہ مسجد کا اندھیرا ہے یا یہ کہ اسفار اتنا زیادہ نہیں ہوتا تھا کہ آفتاب کا نکلنا قریب ہو جائے کما مر۔ یا غلس میں نماز پڑھنا بیان جواز کے لئے تھا یا احادیث فعلیہ میں بسبب متعارض ہونے کے کسی فریق کے لئے حجت نہ رہی اور احادیث قولیہ (۳) بلا معارض باقی رہیں۔ تو لامحالہ احادیث قولیہ پر عمل ہوگا۔ علاوہ اس کے قول اور فعل میں جب تعارض ہو تو قول مقدم ہوتا ہے۔ کَذَا قَالَ الشَّيْخُ عَبْدُ الْحَقِّ فِي أَشْعَةِ اللَّعَاتِ تو اس مسئلہ میں بھی احادیث قولیہ ”أَسْفَرُوا بِالْفَجْرِ“ اور ”نُودَ يَا بِلَالُ“ حدیث عکس پر جو کہ فعلی ہے مقدم ہوں گی۔

### حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم:

علاوہ اس کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی اسفار ثابت ہے۔ چنانچہ امام طحاوی نے بسند صحیح ابراہیم نخعی سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا

مَا اجْتَمَعَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ عَلَى شَيْءٍ مَّا اجْتَمَعُوا عَلَى التَّنْوِيرِ یعنی رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کسی بات پر اس قدر متفق نہ ہوئے جس قدر اسفار فجر پر متفق ہوئے (۴)۔

(۱) ایسی احادیث کہ جس میں حضور ﷺ کے کسی کام کے کرنے کا ذکر ہو (۲) مطابقت، دو متعارض روایتوں میں مطابقت (۳) وہ احادیث کہ جس میں حضور ﷺ نے کچھ فرمایا ہو۔ (۴) شرح

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ :

حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قَالَ صَلَّى بِنَا أَبُو بَكْرٍ صَلَاةَ الصُّبْحِ فَقَرَأَ آلَ عِمْرَانَ  
فَقَالُوا كَادَتِ الشَّمْسُ تَطْلُعُ قَالَ لَوْ طَلَعَتْ لَمْ تَجِدْنَا  
غَافِلِينَ دَوَاهُ الْبَيْهَيِّ فِي السَّنَنِ الْكُبْرَى (۱)۔ صحیح بہاری  
ص ۲۵۶۔

حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہمیں  
صبح کی نماز پڑھائی تو سورہ آل عمران پڑھی لوگوں نے (بعد فراغت نماز) کہا  
کہ آفتاب نکلنے کے قریب ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر آفتاب نکل آتا تو  
ہمیں غافل نہ پاتا یعنی ہمیں نماز میں دیکھتا۔ اس حدیث کو بیہقی نے سنن کبریٰ  
میں روایت کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز فجر اسفار  
میں پڑھا کرتے تھے۔

حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ :

عَنْ أَبِي عُمَانَ النَّهْدِيِّ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ عُمَرَ  
صَلَاةَ الْفَجْرِ فَمَا سَلَّمَ حَتَّى ظَنَّ الرَّجُلُ ذُو الْعُقُولِ أَنَّ  
الشَّمْسَ طَلَعَتْ فَلَمْ يُسَلِّمْ قَالُوا يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ كَادَتِ  
الشَّمْسُ تَطْلُعُ قَالَ فَتَكَلَّمَ بِشَيْءٍ لَمْ أَفْهَمْ، فَقُلْتُ أَيُّ شَيْءٍ

قَالَ فَقَالُوا لَوْ طَلَعَتِ الشَّمْسُ لَمْ تَجِدْنَا غَافِلِينَ۔ رَوَاهُ  
الْبَيْهَقِيُّ فِي السَّنَنِ الْكُبْرَى - (۱)

حضرت ابو عثمان نہدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز فجر پڑھی آپ نے سلام نہ پھیرا یہاں تک کہ عقلمند لوگوں نے ظن (گمان) کیا کہ آفتاب طلوع ہو گیا اور آپ نے سلام نہ پھیرا۔ لوگوں نے (بعد فراغت نماز) عرض کی کہ اے امیر المومنین رضی اللہ عنہ آفتاب نکلنے کے قریب ہے۔ حضرت ابو عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کچھ کلام کیا جو میں نہیں سمجھا تو میں نے لوگوں سے پوچھا کہ آپ نے کیا فرمایا ہے۔ انہوں نے کہا کہ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر آفتاب نکل آتا تو ہمیں غافل نہ پاتا۔ اس کو بیہقی نے سنن کبریٰ میں روایت کیا۔ صحیح بہاری

(ف): معلوم ہوا کہ حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی اسفار میں نماز فجر پڑھا کرتے تھے۔

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ :

عَنْ يَزِيدِ الْأَوْدِيِّ قَالَ كَانَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ  
يُصَلِّي بِنَا الْفَجْرِ وَنَحْنُ نَتَرَاءُ الشَّمْسَ مَخَافَةَ أَنْ تَكُونَ قَدْ  
طَلَعَتْ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ (۲)۔

یزید الاودی کہتے ہیں کہ حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہمیں فجر کی نماز پڑھایا

کرتے تھے اور ہم آفتاب کو دیکھتے تھے اس ڈر سے کہ کہیں نکل نہ آیا ہو۔ معلوم ہوا کہ حضرت سیدنا علیؑ بھی اچھی روشنی میں فجر پڑھایا کرتے تھے۔

عبدالرزاق ابن ابی شیبہ و طحاوی نے بسند صحیح روایت کیا ہے کہ حضرت علیؑ اپنے مؤذن کو فرماتے تھے اَسْفِرْ اَسْفِرْ يَعْني بِصَلَاةِ الصُّبْحِ - کہ اسفار کرو اسفار کرو صبح کی نماز میں۔ (۱)

حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ :

امام طحاوی عبدالرحمان بن یزید سے روایت کرتے ہیں۔

قَالَ كُنَّا نَصَلِّي مَعَ ابْنِ مَسْعُودٍ فَكَانَ يُسْفِرُ بِصَلَاةِ الصُّبْحِ - (۲)

عبدالرحمان کہتے ہیں کہ ہم ابن مسعودؓ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے۔ وہ نماز صبح میں اسفار کیا کرتے تھے۔ طبرانی نے کبیر میں اس طرح روایت کیا ہے۔ كَانَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ يُسْفِرُ بِصَلَاةِ الْفَجْرِ مجمع الزوائد میں اس کے سب راوی ثقہ لکھے ہیں۔ (۳)

الحاصل مذہب امام اعظم کا کہ فجر میں اسفار مستحب ہے نہایت قوی ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اشعة اللامعات میں فرماتے ہیں کہ فجر کی تاخیر اخیر وقت تک اجماعاً بلا کر اہت مباح ہے اور تقلیل جماعت بھی مکروہ۔ اور

(۱) مصنف عبدالرزاق ۴۱۹/۱، شرح معانی الآثار للطحاوی ۲۳۲/۱ - (۲) شرح معانی

الآثار للطحاوی ۲۳۵/۱ - (۳) مجمع الزوائد کتاب الصلوة ۶۵/۲

لوگوں کو مشقت میں ڈالنا بھی مکروہ یعنی غلّس میں فجر پڑھنا ایک تو تکفیل جماعت کا باعث ہے جو مکروہ ہے اور دوسرا لوگوں کو مشقت میں ڈالنا ہے اور وہ بھی مکروہ ہے۔ جیسے حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے طویل قرأت سے منع فرمایا۔ اور اسفار میں نماز پڑھنا باعث کثرت جماعت اور آسانی ہے۔ علاوہ اس کے فجر کی نماز کے بعد اسی جگہ آفتاب نکلنے تک بیٹھے رہنا مستحب ہے جو اسفار میں آسان ہے لیکن غلّس میں آسان نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## حدیث { ۴ }

### ظہر کا مسنون وقت

عَنْ أَبِي ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَأَرَادَ الْمُؤَذِّنُ أَنْ يُؤَذِّنَ فَقَالَ لَهُ؛ أَبْرِدْ ثُمَّ ارْأَدَ أَنْ يُؤَذِّنَ فَقَالَ لَهُ؛ أَبْرِدْ ثُمَّ ارْأَدَ أَنْ يُؤَذِّنَ فَقَالَ لَهُ؛ أَبْرِدْ حَتَّى سَاوَى الظِّلُّ التَّلَوَّلَ فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم إِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ - رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ (۱)

ترجمہ:- حضرت سیدنا ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں

نے کہا کہ ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سفر میں تھے۔ مؤذن نے اذان دینے کا

(۱) صحیح البخاری ۸۷/۱ باب الاذان، الصحیح لمسلم باب استحباب الابراد بالظہر

ارادہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ٹھنڈا کرو یعنی وقت ٹھنڈا ہونے دو۔ اس نے پھر تھوڑی دیر کے بعد اذان دینے کا ارادہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ٹھنڈا ہونے دو۔ اس نے پھر تھوڑی دیر کے بعد اذان کا ارادہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اور ٹھنڈا ہونے دو۔ یہاں تک کہ سایہ ٹیلوں کے برابر ہو گیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ گرمی کی شدت دوزخ کے جوش سے ہوتی ہے۔

اس کو امام بخاری نے روایت کیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ظہر کا وقت ایک مثل کے بعد بھی رہتا ہے۔ کیونکہ یہ امر مشاہدہ سے معلوم ہے کہ ٹیلوں کا سایہ بہت دیر سے ظاہر ہوتا ہے کیونکہ ٹیلے اشیا منبسطہ (۱) میں سے ہیں۔ یعنی مٹی یا ریت کے اونچے ڈھیر کو ٹیلہ کہتے ہیں۔ اس کا سایہ جب ایک مثل ہو جیسا کہ حدیث مذکور میں آیا ہے تو اشیا منتصبہ (۲) لکڑی وغیرہ جو کھڑی کی جائے اس کا سایہ مثل سے زیادہ ہوتا ہے اور حدیث مذکور میں صاف تصریح ہے کہ ظہر کی اذان اس وقت ہوئی جب کہ ٹیلوں کا سایہ ان کے برابر ہو گیا۔ تو یہ اذان کھڑی چیزوں کے سایہ کے ایک مثل کے بعد میں ہوئی۔ تو ثابت ہوا کہ ظہر کا وقت ایک مثل کے بعد تک باقی رہتا ہے۔ علاوہ اس کے اذان تو ایک مثل کے بعد ہوئی اور اذان اور نماز میں ایک معتدبہ فصل (۳) ہوتا ہے۔ تو نماز کا ایک مثل کے بعد ہونا اور بھی ظاہر ہوگا۔ یہی مذہب ہے حضرت سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا کہ نماز ظہر کا وقت دو مثل تک باقی رہتا ہے۔

(۱) پھیلی ہوئی اشیا۔ (۲) نصب کی جانے والی اشیا۔ (۳) عادت کے مطابق وقفہ یا فاصلہ۔



اسی کی تائید میں وہ حدیث ہے جو کہ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے  
 عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے۔ انہوں نے رسول کریم ﷺ  
 سے سنا فرماتے تھے کہ تمہاری عمر، ان لوگوں کی عمر کے مقابلہ میں جو تم سے پہلے  
 تھے ایسی ہے جیسے کہ عصر کی نماز سے غروب شمس تک۔ اہل تورات کو تورات  
 شریف ملی۔ انہوں نے کام کیا جب آدھا دن ہو گیا تو وہ عاجز آ گئے یعنی تھک  
 گئے تو ان کو ایک ایک قیراط (۱) دیا گیا۔ پھر اہل انجیل کو انجیل شریف ملی تو  
 انہوں نے عصر تک کام کیا پھر عاجز ہو کر رہ گئے تو ان کو بھی ایک ایک قیراط ملا  
 پھر ہمیں قرآن دیا گیا تو ہم نے غروب آفتاب تک کام کیا تو ہمیں دو دو قیراط  
 عطا ہوئے اس پر ان دونوں اہل کتاب (۲) نے کہا کہ اے خدا تو نے ان کو دو  
 دو قیراط دیئے اور ہمیں ایک ایک قیراط دیا حالانکہ ہم کام میں ان سے بڑھے  
 ہوئے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا میں نے تمہاری مزدوری میں سے کچھ  
 نقصان کیا؟ انہوں نے کہا نہیں۔ تو فرمایا کہ یہ میرا فضل ہے جس کو چاہوں  
 دے دوں۔ اس کو بخاری نے روایت کیا۔ (۳)

(۱) درہم کے بارہویں حصے کے برابر ایک وزن اور حدیث میں قیراط کے متعلق یوں بھی آیا ہے  
 چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص حالت ایمان میں اور  
 ثواب کی نیت سے کسی مسلمان کے جنازے کے ساتھ گیا اور اس کی نماز جنازہ پڑھی اور دفن سے  
 فراغت تک اس کے ساتھ رہا اس کو دو قیراط اجر ملے گا اور ہر قیراط احد پہاڑ کے برابر ہوگا، اور جو شخص  
 نماز جنازہ پڑھ کر دفن سے پہلے لوٹ آیا اس کو ایک قیراط اجر ملے گا۔ الصحیح البخاری ۱۲/۱

(۲) یہود و نصاریٰ۔ (۳) صحیح البخاری ۲/۹۲۔

(ف): اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ ظہر کا وقت ایک مثل کے بعد دو مثل تک باقی رہتا ہے کیونکہ اس میں تصریح ہے کہ یہود و نصاریٰ دونوں کہتے ہیں اَكْثَرُ عَمَلٍ ایک دوسری روایت میں ہے وَ اَقْلُ عَطَاءٍ کہ ہمیں کام بہت اور اجرت تھوڑی۔

تو اگر ظہر کا وقت ایک ہی مثل تک ختم ہو جائے اور عصر کا وقت شروع ہو جائے تو عصر کا وقت ظہر کے وقت کے برابر ہو جائے گا بلکہ کچھ زیادہ ہی ہوگا حالانکہ حدیث کے الفاظ یہ چاہتے ہیں کہ عصر کا وقت بہ نسبت ظہر کے وقت کے کم ہو اور یہ اُسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ ظہر کا وقت دو مثل تک باقی رہے اور دو مثل کے بعد عصر شروع ہو۔ تا کہ غروب آفتاب تک اس کا وقت ظہر کے وقت سے کم ہو۔ اس کی تائید میں وہ حدیث ہے جو امام مالک نے مؤطا میں عبد اللہ بن رافع رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نماز کے اوقات کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا: صَلِّ الظُّهْرَ إِذَا كَانَ

ظِلُّكَ مِثْلَكَ وَالْعَصْرَ إِذَا كَانَ ظِلُّكَ مِثْلِكَ یعنی ظہر کو اس وقت ادا کر جبکہ تیرا سایہ تیری مثل ہو جائے اور عصر اس وقت پڑھ جبکہ تیرا سایہ دو مثل ہو جائے (۱) تو اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک مثل کے بعد ظہر کا وقت باقی رہتا ہے کیونکہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بہت بعید ہے کہ وہ نماز کا وقت گزر جانے کے بعد نماز پڑھنے کا حکم کریں۔ تو جب وہ ظہر کی نماز کو اس وقت پڑھنے کا حکم

دیتے ہیں جب سایہ ایک مثل ہو جائے تو معلوم ہوا کہ مثل کے بعد تک ظہر کا وقت باقی رہتا ہے۔ ایسے ہی نماز عصر کو دو مثل کے بعد پڑھنے کا حکم دیتے ہیں یہی مذہب سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ۔

حضرت جبریل امین علیہ السلام کی امامت والی حدیث (۱) میں تصریح ہے کہ جبریل نے پہلے دن عصر اس وقت پڑھی جبکہ سایہ ہر شے کا اس کی مثل تھا۔ پھر دوسرے دن ظہر اس وقت پڑھی جس وقت پہلے دن عصر پڑھی تھی۔ چنانچہ حدیث کے الفاظ ہیں۔ صَلَّى الْمَرْءَةُ الثَّانِيَةَ الظُّهْرَ حِينَ كَانَ ظِلُّ كُلِّ شَيْءٍ مِّثْلَهُ، لَوْ قَتِ الْعَصْرُ بِالْأَمْسِ - اس کو ترمذی و ابوداؤد نے روایت کیا۔ اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ ایک مثل کے بعد ظہر کا وقت باقی رہتا ہے۔ رہی یہ بات کہ اس حدیث سے نماز عصر کا ایک مثل کے وقت پڑھنا ثابت ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث جبریل علیہ السلام دربارہ وقت عصر منسوخ ہے کیونکہ حدیث ابوذر جس کو ہم اوپر لکھ آئے ہیں متاخر ہے اور حدیث جبریل یقیناً مقدم ہے۔ ان دونوں کی تطبیق ممکن نہیں۔ تو لا محالہ حدیث مقدم منسوخ سمجھی جائے گی۔ کَمَا قَالَ ابْنُ الْهَمَامِ فِي فَتْحِ الْقَدِيرِ۔

نیز حدیث بریدہ رضی اللہ عنہ (۲) جس میں ایک سائل نے حضور پر نور،

(۱) جامع الترمذی ۱/۲۷۹، السنن لابی داؤد ۱/۱۰۷۔

(۲) الصحيح لمسلم ۱/۴۲۸۔

شافع یوم النشور ﷺ سے اوقات نماز کا سوال کیا اس کی تائید کرتی ہے۔ اس میں آیا ہے فَلَمَّا أَنْ كَانَ الْيَوْمُ الثَّانِي أَمَرَ، أَبْرَدَ بِالظُّهْرِ فَأَبْرَدَ بِهَا فَانْعَمَ أَنْ يُبْرَدَ بِهَا۔ جب دوسرا دن ہوا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ ظہر کو سرد کرو تو اس نے سرد کیا اور سرد کرنے میں مبالغہ کیا اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ بعد مثل کے ادا ہو۔ اور یہ کہنا کہ بعد مثل ظہر اور عصر کا وقت مشترک ہے اجماع کے خلاف ہے۔ بعض علماء نے امام مالک علیہ الرحمۃ سے نقل کیا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ ان کا قول بھی یہی ہے کہ ظہر کا اخیر وقت ایک مثل تک ہے۔

كَذَا فِي رَحْمَةِ الْأُمَّةِ لِلشَّعْرَانِيَّ

اس تحقیق سے کما حقہ ثابت ہو گیا کہ امام اعظم علیہ الرحمۃ کا مذہب کہ ظہر کا وقت دو مثل تک ہے نہایت صحیح اور احادیث صحیحہ کے موافق ہے۔ فقہاء علیہم الرحمۃ نے اسی کو اختیار کیا۔ بدائع میں اس کو صحیح لکھا ہے۔ محیط اور ینایع میں وَهُوَ الصَّحِيحُ لکھا ہے۔

## حدیث { ۵ }

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ :

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوا بِالصَّلَاةِ فَإِنَّ

شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فِيحِ جَهَنَّمَ - مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ (۱)

ترجمہ:- حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب گرمی کی شدت ہو تو نماز کو ٹھنڈا کرو کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کے جوش سے ہوتی ہے۔

اس حدیث کو بخاری و مسلم نے روایت کیا۔ ایک دوسری حدیث (۱) میں تصریح ہے کہ ظہر کو ٹھنڈا کرو جس کو امام بخاری نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ نماز کو گرمیوں میں ٹھنڈا کر کے پڑھنا مستحب ہے۔

یہی مذہب امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ و جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کا ہے۔ رہی یہ بات کہ ابراد (۲) کی حد کیا ہے۔ احادیث میں اس کی حد بھی معلوم ہوتی ہے کہ ایک مثل کے بعد پڑھے۔ چنانچہ حدیث چہارم میں مفصل گزرا۔ تو گرمیوں میں ظہر کو مثل سے پہلے پڑھنا اس حدیث کے خلاف ہے۔ نماز جمعہ کا بھی یہی حکم ہے کہ گرمیوں میں دیر سے اور سردیوں میں سویرے پڑھنا مستحب ہے۔

## حدیث { ۶ }

عَنْ عَلِيِّ بْنِ شَيْبَانَ قَالَ قَدِمْنَا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم  
الْمَدِينَةَ فَكَانَ يُؤَخِّرُ الْعَصْرَ مَا دَامَتِ الشَّمْسُ بَيَّضَاءَ نَفِیَّةً -

(۱) صحیح البخاری ۳/۱۹۰، ۱۹۹ - (۲) ٹھنڈا کرنا۔ یعنی گرمی کے جوش میں جب کچھ کمی آجائے تو اُس وقت ظہر ادا کرنا۔

رواہ ابوداؤد وسکت عنہ۔

ترجمہ:- حضرت علی بن شیبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم مدینہ شریف میں رسول کریم، رؤف رحیم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ عصر کی نماز میں تاخیر فرماتے تھے جب تک سورج صاف اور روشن رہتا۔ (۱)

اس کو ابوداؤد نے روایت کیا اور اس پر سکوت فرمایا۔ ابوداؤد جس حدیث پر سکوت فرماتے ہیں وہ ان کے نزدیک حسن ہوتی ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز عصر کو تاخیر سے پڑھنا مستحب ہے۔ اور تاخیر کی حد بھی معلوم ہوگئی کہ سورج کے زرد ہونے سے پہلے پڑھے جبکہ آفتاب صاف اور روشن ہو۔ اتنی تاخیر نہ کرے کہ وقت مکروہ ہو جائے۔ اسی کی تائید میں وہ حدیث ہے جو امام احمد و ترمذی نے بسند صحیح ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ جناب رسول کریم ﷺ نماز ظہر کو تم سے جلدی پڑھتے تھے اور تم نماز عصر جناب رسول کریم ﷺ سے جلدی پڑھتے ہو (۲)۔ معلوم ہوا کہ نماز عصر میں تاخیر کرنا مستحب ہے۔ رسول کریم ﷺ کا یہی طریقہ تھا اور یہی امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے۔

عبدالرزاق اپنی مصنف میں ثوری سے وہ ابواسحاق سے وہ عبدالرحمن بن یزید سے روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ عصر کی نماز میں تاخیر کیا

کرتے تھے۔ (۱)

اسی طرح عبدالواحد بن نافع کہتے ہیں کہ میں مسجد مدینہ علی صَاحِبِهَا الصَّلَوةُ وَ السَّلَامُ میں داخل ہوا تو مؤذن نے نماز عصر کے لئے اذان دی۔ ایک بزرگ بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے مؤذن کو ملامت کی اور فرمایا کہ میرے باپ نے مجھے خبر دی ہے کہ رسول کریم ﷺ نماز عصر کی تاخیر کا حکم دیا کرتے تھے۔ میں نے پوچھا کہ یہ بزرگ کون ہیں۔ لوگوں نے کہا یہ عبداللہ بن رافع بن خدیج ہیں۔ اس حدیث کو دارقطنی اور بیہقی نے روایت کیا۔ صحیح بہاری جلد ۲ ص ۳۵۹

معلوم ہوا کہ نماز عصر میں تاخیر مستحب ہے اور جن حدیثوں میں عصر کا سویرے (۲) پڑھنا آیا ہے وہ ان احادیث کے منافی نہیں کیونکہ سورج کے تغیر سے پہلے عصر پڑھ لینے سے غروب تک نَحْرٌ طَبِخٌ اَكْلٌ (۳) سب کچھ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اہل بادیہ (۴) یہ سب کام جلدی کر لیتے ہیں۔

## حدیث ۷

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ سَأَلَ رَجُلٌ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَنْ وَقْتِ الصَّلَاةِ فَلَمَّا دَلَّكَتِ الشَّمْسُ أَذْنَ بِلَالٍ الظُّهْرَ فَأَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَأَقَامَ الصَّلَاةَ فَصَلَّى ثُمَّ أَذَّنَ لِلْعَصْرِ

(۱) مصنف عبدالرزاق ۳۰۶/۱۔ (۲) جلدی۔ (۳) ذبح کرنا، پکانا اور کھانا۔ (۴) دیہاتی۔

حِينَ ظَنَنَّا أَنَّ ظِلَّ الرَّجُلِ أَطْوَلُ مِنْهُ فَأَمَرَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ  
فَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَصَلَّى ثُمَّ أَذَّنَ لِلْغَرْبِ حِينَ غَابَتِ الشَّمْسُ  
فَأَمَرَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَصَلَّى ثُمَّ أَذَّنَ لِلْعِشَاءِ  
حِينَ ذَهَبَ بَيَاضُ النَّهَارِ وَهُوَ الشَّفَقُ ثُمَّ أَمَرَهُ فَأَقَامَ الصَّلَاةَ  
وَصَلَّى ثُمَّ أَذَّنَ لِلْفَجْرِ فَأَمَرَهُ فَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَصَلَّى ثُمَّ أَذَّنَ  
بِلَالُ الْعَدَلِ لِلظُّهْرِ حِينَ دَلَّكَتِ الشَّمْسُ فَأَخَّرَهَا رَسُولُ اللَّهِ  
ﷺ حَتَّى صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَيْءٍ مِثْلِيَّهِ فَأَمَرَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ  
فَأَقَامَ وَصَلَّى ثُمَّ أَذَّنَ لِلْغَرْبِ حِينَ غَرَبَتِ الشَّمْسُ فَأَخَّرَهَا  
رَسُولُ اللَّهِ ﷺ حَتَّى كَادَ يَغِيبُ بَيَاضُ النَّهَارِ وَهُوَ الشَّفَقُ  
فِيمَا يُرَى ثُمَّ أَمَرَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَصَلَّى ثُمَّ أَذَّنَ  
لِلْعِشَاءِ حِينَ غَابَ الشَّفَقُ فَنِمْنَا ثُمَّ قُمْنَا مِرَارًا ثُمَّ خَرَجَ إِلَيْنَا  
رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ مَا أَحَدٌ مِنَ النَّاسِ يَنْتَظِرُ هَذِهِ الصَّلَاةَ  
غَيْرَكُمْ فَإِنَّكُمْ فِي صَلَاةٍ مَا أَنْتَظَرْتُمُوهَا وَلَوْلَا أَنْ أَشَقَّ عَلَيَّ  
أُمَّتِي لَأَمَرْتُ بِتَأْخِيرِ هَذِهِ الصَّلَاةِ إِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ أَوْ أَقْرَبَ  
مِنَ اللَّيْلِ ثُمَّ أَذَّنَ لِلْفَجْرِ فَأَخَّرَهَا حَتَّى كَادَتِ الشَّمْسُ أَنْ  
تَطْلُعَ فَأَمَرَهُ فَأَقَامَ الصَّلَاةَ فَصَلَّى ثُمَّ قَالَ ، الْوَقْتُ فِيمَا بَيْنَ  
هَذَيْنِ - رَوَاهُ الطَّبْرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ وَ أَسْنَادُهُ حَسَنٌ مُجْمَعٌ  
الزَّوَائِد -



ترجمہ:- حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کے اوقات کے متعلق سوال کیا۔ تو جب آفتاب ڈھل گیا تو بلال رضی اللہ عنہ نے ظہر کی آذان دی اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تو اس نے تکبیر کہی تو آپ نے نماز پڑھی اس نے عصر کی آذان اس وقت کہی جب کہ ہم نے سمجھا کہ آدمی کا سایہ اس سے بڑھ گیا ہے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تو انہوں نے تکبیر کہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی پھر نماز مغرب کی آذان اس وقت دی جبکہ آفتاب غروب ہو گیا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا تو اس نے تکبیر کہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز مغرب پڑھی۔ پھر عشاء کی آذان اس وقت دی جبکہ دن کی سفیدی یعنی شفق جاتی رہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا۔ اس نے تکبیر کہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عشاء پڑھی پھر فجر کی آذان دی اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تو انہوں نے تکبیر کہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی پھر اگلے دن بلال رضی اللہ عنہ نے ظہر کی آذان اس وقت دی جبکہ آفتاب ڈھل گیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک تاخیر کی کہ ہر شے کا سایہ اس کے برابر ہو گیا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تو اس نے تکبیر کہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھ لی۔ پھر اس نے عصر کی آذان دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک تاخیر کی کہ ہر شے کا سایہ اس کے دوشل یعنی دو گنا ہو گیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امر کیا تو اس نے تکبیر کہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھ لی۔ پھر اس نے مغرب کی آذان اس وقت دی جبکہ سورج غروب ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک تاخیر فرمائی کہ دن کی سفیدی غائب

ہونے کے قریب ہوگئی اور وہ شفق ہے۔ پھر آپ ﷺ نے ان کو حکم دیا تو انہوں نے تکبیر کہی تو آپ ﷺ نے نماز پڑھی پھر عشاء کی آذان اس وقت دی جب شفق یعنی دن کی سفیدی غائب ہوگئی پھر ہم سو گئے پھر جاگے۔ کئی بار ایسا ہوا۔ پھر رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ تمہارے سوا کوئی آدمی اس نماز کا انتظار نہیں کر رہا۔ پس تم نماز میں ہی ہو جب تک نماز کے انتظار میں رہو۔ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ میں تاخیر کا حکم کر کے اپنی امت کو مشقت میں ڈال دوں گا تو اس نماز کو نصف شب یا قریب نصف شب تک تاخیر کا حکم دیتا۔ پھر انہوں نے فجر کی آذان دی تو آپ ﷺ نے یہاں تک تاخیر کی کہ آفتاب قریب طلوع تھا۔ تو آپ ﷺ نے امر فرمایا تو انہوں نے تکبیر کہی تو آپ ﷺ نے نماز فجر پڑھی۔ پھر فرمایا کہ وقت ان دونوں وقتوں کے درمیان ہے۔

اس کو طبرانی نے اوسط میں روایت کیا۔ (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ شفق سے مراد وہ سفیدی ہے جو سرنخی کے بعد ہوتی ہے اور یہ امر متفق علیہ ہے کہ غروب شفق تک مغرب کا وقت رہتا ہے۔ اور بعد غروب شفق عشاء کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ اور شفق سے مراد سفیدی ہے۔ جیسا کہ اس حدیث میں تصریح ہے۔ تو معلوم ہوا کہ سفیدی تک مغرب کا وقت رہتا ہے۔ سفیدی دور ہو جائے پھر عشاء کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ یہی مذہب ہے امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کا۔ رہی یہ بات کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا

ہے کہ عصر کا وقت مثلین سے پہلے ہو جاتا ہے۔ اس کا جواب حدیث چہارم میں گزرا۔ فَلَا نَعِيدُهُ -

اسی کی تائید میں وہ حدیث ہے (۱) جو کہ امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ کہا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول کریم ﷺ نے کہ نماز کے لئے اول اور آخر ہے نماز ظہر کا اول زوال شمس کے وقت ہے۔ اور اس کا آخر (۲) جبکہ عصر کا وقت آجائے۔ اور وقت عصر کا اول جبکہ اس کا وقت ہو جائے اور اس کا آخری وقت جبکہ سورج زرد ہو جائے (یعنی وقت مستحب سورج کی زردی تک ہے) اور مغرب کا اول غروب شمس کے وقت ہے اور اس کا آخری وقت شفق کے غائب ہونے کے وقت ہے اور عشاء کا آخری (مستحب) وقت جب کہ آدھی رات ہو جائے۔ اور فجر کا اول وقت طلوع فجر اور اس کا آخری وقت طلوع شمس تک ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عشاء کا اول وقت اس وقت شروع ہوتا ہے جب کہ سفیدی غائب ہو جائے کیونکہ افق اسی وقت غائب ہوتی ہے جب سپیدی غائب ہو۔ اور یہ امر متفق علیہ ہے کہ مغرب اور عشاء کے درمیان فصل نہیں۔ تو ثابت ہوا کہ سپیدی تک مغرب کی نماز کا وقت ہے۔

اسی طرح ابو داؤد کی حدیث (۳) میں آیا ہے کہ رسول کریم ﷺ

(۱) جامع الترمذی ابواب الصلوۃ ۱ / ۲۲ - (۲) معلوم ہوا کہ ظہر اور عصر کے درمیان

فصل نہیں۔ (۳) السنن لابی داؤد ۱ / ۱۸۴ -

عشاء کی نماز اس وقت پڑھتے تھے جب کہ افق (کنارہ آسمان) سیاہ ہو جاتا تھا۔ توافق کا سیاہ ہونا سفیدی کے زائل ہونے کے بعد ہوتا ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ شفق سے مراد سپیدی ہے۔ یہی مذہب ہے حضرت سیدنا ابوبکر صدیق و معاذ بن جبل و عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا۔ اور عمر بن عبدالعزیز اور اوزاعی و مزنی و ابن المنذر و خطابی علیہم الرحمۃ نے ایسا ہی فرمایا ہے۔ مبرداور ثعلب نے اسی کو پسند کیا ہے۔ وَاللّٰهُ تَعَالٰی اَعْلَمُ -

## حدیث { ۸ }

### تاخیر عشاء

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ صَلَّيْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ صَلَاةَ الْعَتَمَةِ فَلَمْ يَخْرُجْ حَتَّى مَضَى نَحْوُ مِنْ شَطْرِ اللَّيْلِ فَقَالَ خُذُوا مَقَاعِدَكُمْ فَأَخَذْنَا مَقَاعِدَنَا فَقَالَ إِنَّ النَّاسَ قَدْ صَلَّوْا وَأَخَذُوا مَضَاجِعَهُمْ وَإِنَّكُمْ لَمْ تَزَالُوا فِي صَلَاةٍ مَا أَنْتَظَرْتُمْ لِصَلَاةٍ وَلَوْ لَا ضَعْفُ الضَّعِيفِ وَسَقَمُ السَّقِيمِ لَأَخَرْنَا هَذِهِ الصَّلَاةَ إِلَى شَطْرِ اللَّيْلِ - رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَ النَّسَائِيُّ وَ ابْنُ مَاجَهَ - (۱)

ترجمہ:- حضرت سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہا انہوں نے کہ ہم نے رسول کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی عشاء کی یعنی کئی راتوں میں اور ایک رات آپ نہ نکلے یہاں تک کہ قریب آدھی رات کے گزر گئی۔ یا یہ کہ ہم نے عشاء پڑھنے کا ارادہ کیا یا یہ کہ ہم نے عشاء پڑھی جس کی تفصیل یہ کہ آپ نہ نکلے یہاں تک کہ تقریباً آدھی رات گزر گئی۔ پھر آپ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا کہ اپنی جگہ بیٹھے رہو۔ ہم اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے رہے تو آپ نے فرمایا کہ اور لوگ نماز پڑھ چکے اور اپنی خوابگاہوں میں لیٹ چکے اور تم جب سے نماز کے انتظار میں ہو نماز میں ہی ہو۔ اگر مجھے ضعفِ ضعیف (۱) اور مرضِ مریض کا خیال نہ ہوتا تو میں اس نماز کو نصف شب تک مؤخر کر دیتا۔

اس حدیث کو ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عشاء کی نماز میں تاخیر مستحب ہے۔ امام اعظم رحمہ اللہ کا یہی مذہب ہے۔ اس حدیث کے یہ معنی نہیں کہ آدھی رات ہو جانے کے بعد نماز پڑھی جاتی تھی۔ کیونکہ آدھی رات کے بعد (آخری تہائی حصہ میں) نماز مکروہ (۲) ہے۔ بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ ایسے وقت میں نماز پڑھی جائے کہ آدھی رات تک ختم ہو جائے۔ اسی کی تائید میں وہ حدیث ہے جو حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی۔ فرمایا رسول کریم ﷺ نے اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ میں اپنی امت کو مشقت میں ڈال دوں گا تو میں ان کو حکم دیتا کہ وہ عشاء کی

نماز کورات کی تہائی یا نصف تک تاخیر کریں۔ اس کو ترمذی نے روایت کیا۔ (۱)  
 صحیح مسلم میں جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم  
 نماز عشاء میں تاخیر فرمایا کرتے تھے۔ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت  
 مبارکہ نماز عشاء میں غالب اوقات میں تاخیر تھی۔ (۲) وبهذا قال إمامنا  
 الاعظم والجمہور۔ (۳)

## حدیث { ۹ }

### جمع بین الصلوٰتین

عَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ :

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : أَمَّا أَنَّهُ لَيْسَ فِي النَّوْمِ تَفْرِيطٌ إِنَّمَا  
 التَّفْرِيطُ عَلَى مَنْ لَمْ يُصَلِّ حَتَّى يَجِيءَ وَقْتُ صَلَاةٍ  
 الْآخَرَى - رَوَاهُ مُسْلِمٌ (۴)

ترجمہ:- سرور دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ سو جانے میں تفريط

(۱) جامع الترمذی ابواب الصلوة ۲۱۴/۱ - (۲) الصحيح لمسلم - کتاب

المساجد ۲۲۹/۱ - (۳) اور اسی طرح ہمارے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور جمہور علماء نے فرمایا۔ (۴)

الصحيح لمسلم ۴۷۳/۱، السنن لبیہقی الكبرى ۳۷۶/۱، السنن لابی

نہیں (۱)۔ تفریط (یعنی جرم) اس پر ہے جو نہ نماز پڑھے یہاں تک کہ دوسری نماز کا وقت آجائے۔

اس کو مسلم نے روایت کیا۔ یہ حدیث قولی اس امر پر نص قاطع (۲) ہے کہ جو شخص نماز نہ پڑھے یہاں تک کہ دوسری نماز کا وقت آجائے وہ مفرط ہے یعنی قصور کرنے والا ہے۔ معلوم ہوا کہ جو شخص ایک وقت میں دو نمازیں جمع کرے وہ مفرط ہے کیونکہ اس نے نماز نہ پڑھی یہاں تک کہ دوسری نماز کا وقت آ گیا۔ پھر اس نے دونوں کو جمع کیا تو بموجب اس حدیث کے وہ مجرم ٹھہرا۔ اسی مضمون کی حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی آئی ہے جس کو امام طحاوی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ کوئی نماز اس وقت تک فوت نہیں ہوتی جب تک دوسری نماز کا وقت نہ آجائے۔

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نماز میں کوتاہی کرنا یہ ہے کہ تم اس میں اتنی دیر کرو کہ دوسری نماز کا وقت آجائے۔ یہ دونوں حدیثیں امام طحاوی رحمہ اللہ نے روایت کی ہیں۔ آثار السنن میں دونوں کو صحیح لکھا ہے۔

قرآن شریف میں اللہ جل جلالہ فرماتا ہے:

(۱) حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ”اگر نماز کے وقت اتفاقاً آنکھ نہ کھلے اور نماز قضا ہو جائے تو گناہ نہیں، گناہ تو اس میں ہے کہ انسان جاگتا رہے اور دانستہ نماز قضا کر دے خیال رہے کہ وقت پر آنکھ نہ کھلنا اگر اپنی کوتاہی کی وجہ سے ہو، گناہ ہے، جیسے رات کو بلا وجہ دیر سے سونا جس سے دن چڑھے آنکھ کھلے یقیناً جرم ہے۔ (مرآۃ المناجیح، ۱/ ۳۶۳) (۲) واضح حکم۔

إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا ط

ترجمہ کنز الایمان: بے شک نماز مسلمانوں پر وقت باندھا ہوا فرض

ہے۔ (النساء ۱۰۳/۵)

یعنی نہ وقت کے پہلے صحیح نہ وقت کے بعد تاخیر روا۔ بلکہ ہر نماز فرض ہے کہ اپنے

وقت پر ادا ہو۔ نیز آیت:

حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ -

ترجمہ کنز الایمان: نگہبانی کرو سب نمازوں کی اور بیچ کی نماز

کی۔ (البقرة ۲۳۸/۲)

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر نماز کی محافظت کا حکم ہے۔ خصوصاً

نماز وسطیٰ (۱) کا کہ کوئی نماز وقت سے ادھر ادھر نہ ہو۔ بیضاوی اور مدارک میں

ایسا ہی لکھا ہے۔ اور آیت: وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَوَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ۔

(۱) درمیانی نماز۔ صلوٰۃ وسطیٰ کے بارے میں علماء کے متعدد اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ نماز فجر ہے، ایک قول یہ ہے کہ نماز ظہر ہے، ایک قول یہ ہے کہ عصر، مغرب، یا عشاء، ایک قول یہ ہے کہ وتر، ایک قول یہ ہے کہ تہجد، ایک قول یہ ہے کہ چاشت و اشراق اور ایک قول یہ ہے کہ عیدین مراد ہے۔ (ملخص از تفسیر روح المعانی ۱۵۶/۲) مگر راجح قول نماز عصر کے متعلق ہے۔ جیسا کہ امام عبدالرزاق، امام ابن ابی شیبہ، امام احمد، امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں۔ حضرت علی المرتضیٰ ؑ سے نماز وسطیٰ کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے جواب دیا ہم یہ خیال کرتے تھے کہ صلوٰۃ وسطیٰ فجر کی نماز ہے۔ حتیٰ کہ میں نے جنگ خندق کے موقع پر رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا اُن (کفار) کیساتھ مشغول رہنے کی وجہ سے ہم صلوٰۃ وسطیٰ العصر نہیں پڑھ سکے، اللہ تعالیٰ اُن کی قبروں کو اور ان کے پیٹوں کو آگ سے بھر دے۔ (الصحيح مسلم، کتاب المساجد ۲۲۶/۱)۔ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن ایک موقع پر صلوٰۃ وسطیٰ سے متعلق فرماتے ہیں۔



ترجمہ کنز الایمان: اور وہ جو اپنی نمازوں کی نگہبانی کرتے ہیں۔  
 (المومنون ۹۱/۱۸) میں انہی لوگوں کو جنت کے سچے وارث فرمایا ہے جو  
 نماز کو وقت سے بے وقت نہیں ہونے دیتے۔ حضرت سیدنا عبد اللہ بن  
 مسعود رضی اللہ عنہ آیت:

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ:

ترجمہ کنز الایمان: تو اُن کے بعد اُنکی جگہ وہ ناخلف آئے جنہوں  
 نے نمازیں گنوائیں۔ (مریم، ۵۹/۱۶) کی تفسیر میں فرماتے ہیں: أَخْرَوْهَا  
 عَنْ مَوَاقِئِهَا وَصَلَّوْهَا لِغَيْرِ وَقْتِهَا یہ لوگ جن کی مذمت اس آیت  
 میں ہے وہ ہیں جو نمازوں کو ان کے وقت سے ہٹاتے ہیں اور غیر وقت میں  
 پڑھتے ہیں۔ عمدۃ القاری و معالم و بغوی (۱)، ہم تیسری حدیث کے ضمن میں عبد  
 اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی متفق علیہ حدیث لکھ آئے ہیں جس میں عبد اللہ بن مسعود  
رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی نہیں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
 نماز کے غیر وقت میں نماز پڑھی ہو۔ سوائے دو نمازوں کے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
 مغرب اور عشاء کو غیر وقت میں جمع کیا۔ اور فجر کو اس کے وقت سے پہلے پڑھا

۵

مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے واری تیری نیند پر نماز  
 وروہ بھی عصر سب سے جو اعلیٰ خطر کی ہے

نسائی میں اس طرح آیا ہے کہ رسول کریم ﷺ نماز کو اس کے وقت میں پڑھا کرتے تھے مگر مُزدلفہ اور عرفات میں۔ اس کی سند صحیح ہے۔ معلوم ہوا کہ جن حدیثوں میں جَمَعَ بَيْنَ الصَّلَوَتَيْنِ آیا ہے ان سے مراد جمع صوری (۱) ہے کہ صورتاً جمع ہیں اور حقیقتاً اپنے اپنے وقت میں ادا کی گئیں۔ احادیث میں اس کی صراحت (۲) بھی موجود ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے مؤطا میں لکھا ہے کہ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تمام آفاق (۳) میں فرمان نافذ فرمایا کہ کوئی شخص دو نمازیں جمع کرنے نہ پائے اور فرمایا کہ ایک وقت میں دو نمازیں جمع کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

الحاصل جمع دو قسم ہے۔ جمع تقدیم۔ مثلاً ظہر کے ساتھ عصر یا مغرب کے ساتھ عشاء پڑھ لے۔ اس کے متعلق کوئی حدیث صحیح نہیں۔ دوسری جمع تاخیر یعنی ظہر یا مغرب کو قصداً یہاں تک تاخیر کرنا کہ وقت نکل جائے پھر عصر یا عشاء کے وقت دونوں نمازوں کا پڑھنا۔ اس بارے میں جو احادیث آئی ہیں یا تو ان میں صراحئاً جمع صوری مذکور ہے یا مجمل ہے محتمل۔ جو اسی صریح مفصل پر محمول ہے۔ البتہ عرفہ میں جمع تقدیم اور مزدلفہ میں جمع تاخیر بوجہ نسک (۴)

(۱) اس سے مراد یہ ہے کہ واقع میں ہر نماز اپنے وقت میں واقع، مگر ادا میں مل جائیں جیسے ظہر اپنے آخر وقت میں پڑھی کہ اس کے ختم پر وقت عصر آ گیا۔ اب فوراً عصر اول وقت پڑھ لی۔ فتاویٰ رضویہ جدیدہ، ۱۶۰/۵۔ اب یہ دونوں دیکھنے میں ایک ساتھ نظر آ رہی ہیں۔ تو اس لئے اسے جمع صوری کہتے ہیں۔ حقیقت میں دونوں نمازیں اپنے اپنے وقت میں ادا کی گئیں، (۲) وضاحت۔ (۳) تمام شہروں میں۔ (۴) قربانی۔

باتفاق امت جائز ہے اور کسی موقع پر جائز نہیں۔ وَالْبَسْطُ فِي كِتَابِنَا  
تَأْيِيدُ الْإِمَامِ فَلْيَنْتَظِرْ ثَمَّ - (۱)

## حدیث { ۱۰ }

عَنْ أَبِي وَائِلٍ شَقِيقِ بْنِ سَلَمَةَ قَالَ شَهِدْتُ عَلِيَّ  
ابْنَ أَبِي طَالِبٍ وَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ تَوَضَّأَ ثَلَاثًا ثَلَاثًا وَ أَفْرَدَ  
الْمُضْمَضَةَ مِنَ الْإِسْتِنْشَاقِ ثُمَّ قَالَ هَكَذَا رَأَيْنَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ  
تَوَضَّأَ - رَوَاهُ عَلِيُّ بْنُ السَّكَنِ فِي صَحَاحِهِ ، آثَارُ السَّنَنِ (۲)

ترجمہ:- حضرت ابو وائل شقیق بن سلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضرت  
سیدنا علی اور حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس حاضر ہوا ان دونوں  
نے تین تین بار وضو کے اعضاء کو دھویا اور کلی کو ناک میں پانی ڈالنے سے علیحدہ  
کیا۔ پھر فرمایا کہ ہم نے رسول کریم ﷺ کو اسی طرح وضو کرتے دیکھا۔

اس حدیث کو ابن السکن نے اپنی صحاح میں روایت کیا۔ اس حدیث  
سے معلوم ہوا کہ کلی الگ تین بار اور ناک میں الگ تین بار پانی ڈالنا  
چاہیے۔ یعنی دونوں کے لئے الگ الگ پانی لینا چاہیے۔ امام اعظم رحمہ اللہ  
تعالیٰ کا یہی مذہب ہے۔

(۱) مزید وضاحت ہماری کتاب تائید الامام (جو حافظ ابو بکر بن شیبہ کی تالیف الرد علی ابی حنیفہ  
کا محققانہ رد) میں ہے چاہو تو وہاں دیکھ لو۔ (۲) تلخیص الحبیرو ۱/۷۹، الاحادیث المختارہ ۱/۵۷۔

اسی طرح ابوداؤد (۱) کی حدیث میں آیا ہے کہ ابن ابی ملیکہ سے وضو کا سوال ہوا۔ تو انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ان کو وضو کا سوال ہوا۔ تو آپ رضی اللہ عنہ نے پانی منگوایا۔ تو آپ رضی اللہ عنہ کے پاس پانی کا برتن لایا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے داہنے ہاتھ پر اس کو جھکایا۔ یعنی اس برتن سے داہنا ہاتھ دھویا پھر آپ رضی اللہ عنہ نے داہنے ہاتھ کو پانی میں ڈال کر تین بار کلی کی اور تین بار ناک میں پانی ڈالا پھر تین بار منہ دھویا۔ پھر تین بار دایاں ہاتھ دھویا اور بایاں ہاتھ تین بار دھویا۔ پھر اپنا ہاتھ ڈال کر پانی لیا اور سر کا مسح کیا اور کانوں کے ظاہر و باطن کا ایک مسح کیا۔ پھر دونوں پاؤں دھوئے اور فرمایا کہ وضو کے سائل کہاں ہیں؟ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح وضو کرتے دیکھا ہے۔ آثار السنن میں اس حدیث کی سند کو صحیح لکھا ہے۔ اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ مضمضہ (۲) اور استنشاق (۳) الگ الگ کرنا چاہئے البتہ جن روایتوں میں جَمَعَ بَيْنَ الْمَضْمُضَةِ وَالْإِسْتِنْشَاقِ آیا ہے وہ جواز پر محمول ہیں لیکن افضل فصل (۴) ہے۔

## حدیث { ۱۱ }

عَنْ إِبْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَنْ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ

(۱) السنن لابن داؤد باب صفة وضوء النبي صلی اللہ علیہ وسلم ۱ / ۷۱ (۲) کلی کرنا

(۳) ناک میں پانی چڑھانا۔ (۴) الگ الگ کرنا۔

بِیَدَیْهِ عَلٰی عُنُقِهِ وَ قَى الْغُلَّ یَوْمَ الْقِیَامَةِ - (رواہ ابو الحسن بن فارس : بِإِسْنَادِهِ وَ قَالَ هَذَا إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالٰی حَدِیْثُ صَحِیْحٌ - تَلْخِیْصُ الْحَبِیْرِ - (۱)

ترجمہ :- حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم، رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص وضو کرے اور اپنے دونوں ہاتھوں سے گردن کا مسح کرے وہ قیامت کے دن طوق سے محفوظ رکھا جائے گا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گردن کا مسح کرنا مستحب امر ہے۔ چونکہ اس میں مواظبت (۲) ثابت نہیں اس لئے سنت نہیں۔ اس کی تائید میں وہ حدیث ہے جس کو دیلمی نے مسند فردوس میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلٰی عُنُقِهِ وَ قَى الْغُلَّ یَوْمَ الْقِیَامَةِ -  
ترجمہ: کہ جو شخص وضو کرے اور گردن کا مسح کرے وہ قیامت کے دن طوق سے محفوظ رہے گا۔ احیاء السنن ص ۳۸

اس کی تائید میں وہ حدیث ہے جس کو امام محمد رحمہ اللہ نے روایت کیا کہ طلحہ اپنے باپ سے وہ اس کے جد سے روایت کرتے ہیں کہ اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سر کا مسح کرتے یہاں تک کہ قذال (کیاڑی کا اول حصہ) (۳) تک پہنچ جاتے جو کہ متصل ہے گردن کی اگلی جانب کو۔ ابن

تیمیہ نے منتقی ص ۱۸ میں اس حدیث سے مسح گردن کے ثبوت پر استدلال کیا ہے۔ نیز ابو عبید کتاب الطہور میں موسیٰ بن طلحہ سے روایت کرتے ہیں:

اَنَّهُ قَالَ مَنْ مَسَحَ قَفْلًا مَعَ رَاسِهِ وَقَى الْغُلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

موسیٰ بن طلحہ فرماتے ہیں جو شخص پشت گردن کا مسح سر کے ساتھ کرے وہ قیامت کے دن طوقِ نار سے محفوظ رہے گا (تلخیص ص ۳۴) علامہ زیلعی نے تخریج ہدایہ کے ص ۸ میں مسند بزار کی روایت سے رسول کریم ﷺ کے وضو کی حکایت نقل کی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں:

ثُمَّ مَسَحَ عَلَى رَاسِهِ ثَلَاثًا وَ ظَاهِرِ اُذُنَيْهِ ثَلَاثًا وَ ظَاهِرِ رَقَبَتِهِ ۔

اس حدیث میں ظاہر گردن کا مسح ثابت ہوتا ہے۔ بہر حال مسح گردن مستحب ہے بدعت نہیں۔ شیخ ابن الہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

اَلْاِسْتِحْبَابُ يَثْبُتُ بِالضَّعِيفِ غَيْرِ الْمَوْضُوعِ ۔

ترجمہ: کہ حدیث ضعیف سے استحباب ثابت ہوتا ہے۔

امام نووی کتاب الاذکار ص ۱۶ میں فرماتے ہیں:

قَالَ الْعُلَمَاءُ مِنَ الْمُحَدِّثِينَ وَالْفُقَهَاءِ وَغَيْرِهِمْ يَجُوزُ وَ يَسْتَحَبُّ الْعَمَلُ فِي الْفَضَائِلِ وَالتَّرْغِيبِ وَالتَّرْهِيْبِ بِالْحَدِيثِ الضَّعِيفِ مَا لَمْ يَكُنْ مَوْضُوعًا ۔

ترجمہ: مُحَمَّدِ ثَنِّین و فقہاء وغیرہم فرماتے ہیں کہ ضعیف حدیث پر فضائلِ اعمال اور ترغیب (۱) و ترہیب (۲) میں عمل کرنا مستحب ہے۔ ہاں موضوع (۳) پر عمل جائز نہیں تو حدیثِ مسح گردن اگرچہ ضعیف ہے اس پر عمل کرنا محدثین و فقہاء کے نزدیک مستحب ہے اس لئے کہ یہ فضائلِ اعمال میں سے ہے۔ اس زمانہ کے مدعیانِ عمل بالحدیث پر افسوس ہے کہ انہوں نے مسح گردن بالکل ترک کر دیا ہے۔ بلکہ بدعت (۴) کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو سمجھ دے۔

## حدیث { ۱۲ }

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ أَصَابَهُ قَيٌّْ أَوْ رُعَافٌ أَوْ قَلَسٌ أَوْ مَدْيٌ فَلْيَنْصَرِفْ فَلْيَتَوَضَّأْ ثُمَّ لِيَبْنِ عَلَى صَلَوَاتِهِ وَهُوَ فِي ذَلِكَ لَا يَتَكَلَّمْ۔ رواه

- (۱) اعمالِ صالحہ کیلئے شوق بڑھانا۔ (۲) گناہوں کے عذاب سے ڈرانا۔ (۳) من گھڑت روایت۔ (۴) بدعت بُرا طریقہ بدعت کے بارے میں حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے اچھا طریقہ ایجاد کیا کہ اس کے بعد لوگ اس پر عمل پیرا ہوئے تو سب عمل کرنیوالوں کے برابر اس کو ثواب ملے گا اور ان کے ثواب میں کمی نہ ہوگی۔ اور جس نے برا طریقہ نکالا کہ لوگ اس کے بعد اس روش پر چلے تو سب کا گناہ اس کے سر ہوگا جبکہ ان کے گناہوں سے کچھ کم نہ ہوگا۔ (سنن ابن ماجہ، المَقْدَمَةُ، ۱۹/۱) اس حدیثِ پاک کی روشنی میں معلوم ہوا کہ بدعت اچھے یا بُرے طریقہ کو کہتے ہیں۔ جن احادیث میں بدعت کی مذمت آئی ہے اُس سے مراد بُری بدعت ہے۔

ترجمہ:- حضرت سیدنا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے فرمایا رسول کریم ﷺ نے جس شخص کو قے یا نکسیر یا قلنس (منہ بھرتے) آجاوے یا مندی نکلے تو وہ نماز سے ہٹ جائے پھر وضو کرے پھر اپنی نماز پر بنا کرے اور اس کے درمیان کلام نہ کرے۔ (۱)

اس کو ابن ماجہ نے روایت کیا۔ یہ حدیث مرسل صحیح ہے اسی کی تائید میں وہ حدیث جس کو عبد الرزاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے مصنف میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا کہ انہوں نے کہا جب کسی شخص کو نکسیر آجاوے نماز میں یا قے کا غلبہ ہو جائے یا مندی پائے سو وہ شخص ہٹ جائے پھر وضو کرے پھر اپنی جگہ آجائے اور باقی نماز کو گذشتہ نماز پر مبنی کر کے تمام کرے۔ جب تک کلام نہ کیا ہو۔ اس کی سند صحیح ہے۔ معلوم ہوا کہ منہ بھرتے (۲) اور

(۱) سنن ابن ماجہ - باب ماجاء فی البناء علی الصلوۃ ص ۶۹ - (۲) یعنی جسے بلا تکلف نہ روکا جاسکے۔ (عالمگیری ۲۰۴/۱)، قے کے احکام پیش خدمت ہیں۔ (الف) وضو کی حالت میں (جان بوجھ کر کریں یا خود بخود ہو جائے دونوں صورتوں میں) اگر منہ بھرتے آئی اور اس میں کھانا، پانی یا صفراء (کڑوا پانی) آیا تو وضو ٹوٹ جائے گا (الدر المختار ۳۹۳/۳) (ب) اگر بلغم کی منہ بھرتے ہوئی تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔ (الدر المختار ۳۹۴/۳) (ج) بہتے خون کی قے وضو ٹوٹ دیتی ہے۔ (د) بہتے خون کی قے سے وضو اس وقت ٹوٹے گا جب خون تھوک سے مغلوب نہ ہو۔ (الشامی ۲۶۷/۱) یعنی خون کی وجہ سے قے سُرخ ہو رہی ہے تو خون غالب ہے وضو ٹوٹ گیا اور اگر تھوک زیادہ ہے اور خون کم تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔ اس کی نشانی یہ ہے کہ پوری



تفسیر (۱) اور مذی (۲) سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ یہی مذہب ہے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا۔

## حدیث { ۱۳ }

عَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَنْ مَسِّ الرَّجُلِ ذَكَرَهُ، بَعْدَ مَا يَتَوَضَّأُ قَالَ وَهَلْ هُوَ إِلَّا بِضْعَةٍ مِنْهُ -  
رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ (۳)

ترجمہ:- طلق بن علی کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کوئی شخص وضو کر کے اپنے ذکر کو مس (۴) کرے (تو کیا حکم ہے؟) تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں وہ مگر ایک ٹکڑا اس سے۔

یعنی ذکر بھی اس کے بدن کا ایک ٹکڑا ہے تو جس طرح بقیہ اعضاء کو

۵ قے جو تھوک پر مشتمل ہے وہ زرد (پیلی) ہے۔ (۵) اگر قے میں جما ہوا خون نکلا اور وہ منہ بھر سے کم ہے تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔ (بہار شریعت ۱۸/۲) منہ بھر قے (علاوہ بلغم کے) بالکل پیشاب ہی کی طرح ناپاک ہے۔ اس کا کوئی چھینٹا کپڑے یا جسم پر نہ گرنے پائے اس کی احتیاط فرمائیں۔ آج کل لوگ اس میں بڑی بے احتیاطی کرتے ہیں، کپڑوں پر چھینٹ پڑنے کی کوئی پروا نہیں کرتے اور منہ وغیرہ پر جو ناپاک قے لگ جاتی ہے اُس کو بھی بلا جھجک اپنے کپڑوں سے پونچھ لیتے ہیں۔ اللہ ﷻ ہمیں ہر قسم کی نجاست سے بچائے۔ امین بجاہ النبی الامین ﷺ۔ (۱) ناک سے خون آنا۔ (۲) ایسا مادہ کہ جوشہوت کے غلبہ سے نکلتا ہے۔ (۳) السنن ابو داؤد - باب الوضوء من مس

الذکر ۹۴/۱ جامع الترمذی ۱۴۲/۱، النسائی ۱۰۱/۱ - (۴) آگے کی شرم

گاہ کو چھونا۔

مس کرنے سے وضو نہیں ٹوٹتا اسی طرح اس کے مس سے بھی وضو فاسد نہیں ہوتا۔ ترمذی نے اس حدیث کو أَحْسَنُ شَيْءٍ رُوِيَ فِي هَذَا الْبَابِ (۱) فرمایا۔ ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح کہا۔ ابن المدینی نے فرمایا کہ یہ حدیث بسرہ کی حدیث سے احسن ہے (بلوغ المرام)۔ میں کہتا ہوں حدیث بسرہ میں جو امر ہے وہ امر وجوب کیلئے نہیں بلکہ استحباب کے لئے ہے۔ پس اگر کوئی شخص وضو کر کے اپنے ذکر کو ہاتھ لگا دے تو اس سے وضو فاسد نہیں ہوتا۔ لیکن اختلاف سے بچنے کیلئے بہتر ہے کہ پھر وضو کر لے۔

## حدیث { ۱۴ }

عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ التَّيِّمُ ضَرْبَةٌ لِلْوَجْهِ وَضَرْبَةٌ لِلدَّرَاعَيْنِ إِلَى الْبِرْفَقَيْنِ - رَوَاهُ الْحَاكِمُ وَصَحَّحَهُ وَقَالَ الدَّارُ قُطْنِيُّ رِجَالُهُ كُلُّهُمْ ثِقَاتٌ (۲)

ترجمہ:- حضرت سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ تیمم دو ضربیں ہیں۔ ایک ضرب منہ کے لئے ایک ضرب دونوں ہاتھوں کے لئے کہنیں تک۔

اس کو حاکم نے روایت کیا اور صحیح فرمایا۔ دارقطنی نے اس کے راویوں کو ثقہ کہا۔ بیہقی نے اس کی سند کو صحیح کہا۔ دارقطنی نے ابن عمر سے روایت کیا

(۱) یعنی امام ترمذی نے کہا کہ یہ اس باب کی ایک بہترین حدیث ہے (۲) الدار قطنی ۱۸۱/۱۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ:

تیمم دو ضربیں ہیں ایک چہرہ کے لئے اور ایک دونوں ہاتھوں کے لئے کہنیوں تک (۱) جس حدیث میں تیمم کے لئے ایک ضرب آئی ہے امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں اس کا جواب دیا ہے کہ اس حدیث میں مراد تعلیم کے لئے ضرب کی صورت ہے نہ یہ کہ اس کی ایک ہی ضرب سے تیمم ہو جاتا ہے۔

## حدیث { ۱۵ }

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى قَالَ حَدَّثَنَا أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ زَيْدٍ الْأَنْصَارِيَّ جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ كَأَنَّ رَجُلًا قَامَ وَعَلَيْهِ بُرْدَانِ أَحْضَرَانِ فَقَامَ عَلَى حَائِطٍ فَأَذَنَ مَثْنَى مَثْنَى وَاقَامَ مَثْنَى مَثْنَى - رَوَاهُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ فِي الْمَصْنَفِ وَابْنُ أَبِي حَتْمٍ فِي سُنَنِهِ (۲)

ترجمہ:- حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ

کے اصحاب نے ہمیں حدیث بیان کی کہ عبداللہ بن زید انصاری

(۱) سنن الدار قطنی ۲۵۲/۱ - (۲) ابن ابی شیبہ ۱۸۵/۱، السنن البیہقی ۴۲۰/۱ -

حضور ﷺ کے پاس آئے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ میں نے خواب میں دیکھا ہے گویا ایک شخص کھڑا ہے اور اس پر دو سبز کپڑے ہیں۔ وہ دیوار پر کھڑا ہوا۔ اس نے دو دو مرتبہ اذان دی اور دو دو مرتبہ اقامت کہی۔

اس کو ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اور بیہقی نے سنن میں روایت کیا۔ جوہر النقی میں ہے کہ ابن حزم نے فرمایا کہ اس حدیث کی سند نہایت صحیح ہے۔

یہ حدیث اذان میں اصل ہے۔ اس میں ترجیع (۱) نہیں۔ معلوم ہوا کہ ترجیع سنت نہیں۔ قَالَ ابْنُ الْجَوْزِيِّ - حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ جو کہ سرور عالم ﷺ کے سامنے اذان دیا کرتے تھے۔ اگر ترجیع مسنون ہوتی تو حضور ﷺ حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو امر فرماتے اور حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کم سے کم ایک بار تو ترجیع کے ساتھ اذان دیتے۔

ابو محذورہ رضی اللہ عنہ (۲) جس کی اذان میں ترجیع آئی ہے وہ دربارہ تعلیم

(۱) پہلے پست اور پھر بلند آواز سے شہادتین (یعنی اَشْهَدُ۔۔۔ والے کلمات) دہرانا۔ (۲) حافظ ابو عمر ابن عبد البر لکھتے ہیں: حضرت ابو محذورہ قرشی رضی اللہ عنہ کے نام میں کافی اختلاف ہے، بہر حال اکثریت کی تحقیق یہ ہے کہ ان کا نام سمرہ بن سعید ہے۔ ۸ھ میں جب رسول اللہ ﷺ غزوہ حنین سے واپس ہو رہے تھے، اسی اثناء میں حضرت ابو محذورہ اپنے دس مشرک ساتھیوں کے ساتھ گزر رہے تھے، راستے میں رسول اللہ ﷺ کے مؤذن کی آواز سنی، حضرت ابو محذورہ نے اذان کی نقل اتارنا شروع کر دی، حضرت ابو محذورہ بلند آواز اور خوش الحان تھے اور بطور تمسخر اذان کی نقل اتار رہے تھے، ان کی قسمت نے یاوری کی اور سرکارِ ابد قرار ﷺ نے ان کی آواز سن لی ان کو بلایا ۛ

ہے۔ کہ ابو محذورہ رضی اللہ عنہ نے اپنی آواز کو اتنا لمبا نہ کیا کہ جتنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ تھا۔ اس لئے فرمایا کہ

إِرْجِعْ وَآمِدْ مِنْ صَوْتِكَ ۔ پھر کہہ اور آواز بلند کر۔

علاوہ اس کے خود ابو محذورہ رضی اللہ عنہ سے اذان بلا ترجیع آئی ہے۔ امام طحاوی نے عبد العزیز بن رفیع سے روایت کیا ہے۔ اس نے کہا میں نے سنا ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کو، وہ دو دو بار آذان اور دو دو بار اقامت کہتے تھے۔ جو ہر لفظی میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ اور یہی مذہب ہے امام اعظم رحمہ اللہ کا۔

وہ جو بعض روایات میں آیا ہے کہ تخفض بها صوتك ثم ترفع صوتك (۱) وہ ضعیف ہے۔ اس میں حارث بن عبید ابو قدامہ راوی ہے جس کو امام احمد مضطرب الحدیث اور ابن معین ضعیف کہتے ہیں۔ نسائی نے بھی کہا ہے کہ وہ قوی نہیں۔

○ اور ان کے باقی ساتھیوں کو واپس کر دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب آذان دو، آپ آذان کا ایک ایک کلمہ پڑھتے اور ان سے پڑھواتے۔ ابو محذورہ کہتے ہیں کہ مجھے اس وقت حضور سے زیادہ کوئی ناپسند نہ تھا۔ اور نہ ہی حضور کا حکم ماننا پسند تھا، تاہم میں نے حضور کے کہنے سے آذان دی، اذان کے بعد سر کا صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک تھیلی دی جس میں کچھ چاندی تھی، پھر اپنا دست مبارک میری پیشانی پر پھیرا، اور ناف تک لے گئے، ہاتھ کا پھیرنا کیا تھا میری قسمت پھر گئی، میرے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جس قدر رینہ و بغض تھا سب جاتا رہا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے برکت کی دعا دی اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گرویدہ ہو کر مسلمان ہو گیا۔ (الاستیعاب علی ہامش الاصابہ ۷/۱۷۷)

ع      نگاہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں وہ تاثیر دیکھی      بدلتی کروڑوں کی تقدیر دیکھی

(۱) ان میں اپنی آواز پست کر پھر بلند کر۔

## حدیث { ۱۶ }

عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ  
كَبَّرَ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَازِيَ إِبْهَامَيْهِ أُنْصِيَهُ ثُمَّ يَقُولُ  
سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَ  
لَا إِلَهَ غَيْرُكَ - رَوَاهُ الدَّارِقُطْنِيُّ وَ قَالَ أَسْنَدُهُ كُلُّهُمْ ثِقَاتٌ  
كَذَافِي الزَّيْلَعِيُّ (۱)

ترجمہ: حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب نماز کو شروع کرتے تو تکبیر کہتے پھر دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے یہاں تک کہ آپ ﷺ کے انگھوٹھے دونوں کانوں کے برابر ہو جاتے پھر سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ آخر تک پڑھتے۔ اس کو دارقطنی نے روایت کیا۔ اس کے سبب رواۃ ثقہ ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تکبیر تحریمہ کیلئے ہاتھ کانوں کے برابر اٹھانے چاہئیں۔ ایسا ہی ابو داؤد میں وائل کی حدیث میں آیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا رسول کریم ﷺ کو جب شروع کیا نماز کو تو دونوں ہاتھ کانوں کے برابر تک اٹھاتے۔ کہا وائل نے میں ان کے پاس آیا تو دیکھا کہ اپنے ہاتھوں کو سینوں تک اٹھاتے ہیں۔ اور ان پر بارانیاں اور لونیاں تھیں۔ یعنی سردی کے سبب ہاتھوں کو باہر نہیں نکالتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن

روایتوں میں مونڈھوں کے برابر ہاتھ اٹھانا آیا ہے وہ عذر سردی سے تھا یا یہ کہ مونڈھوں کے برابر ہاتھ ہوں۔ اور دونوں انگھوٹھے کانوں کے برابر ہوں۔ چنانچہ ابوداؤد میں وائل کی حدیث میں آیا ہے کہ اس نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا جب وہ نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو آپ نے دونوں ہاتھ اٹھائے۔ یہاں تک کہ مونڈھوں کے مقابل ہو گئے اور برابر کیا دونوں ابہاموں (انگوٹھوں) کو اپنے کانوں کے۔ شرح مسند امام ص ۲۴۴۔

## حدیث { ۱۷ }

عَنْ وَاِئِلِ بْنِ حَجَرٍ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَضَعَ يَمِينَهُ عَلَى شِمَالِهِ فِي الصَّلَاةِ تَحْتَ السُّرَّةِ - أَخْرَجَهُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ الْمُصَنِّفُ لِابْنِ أَبِي شَيْبَةَ ۳۹۰/۱، تَدْرِيبُ الرَّاَوِي ۱۸۸/۱  
آثَارُ السُّنَنِ ۷۱

ترجمہ: حضرت وائل بن حجر کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا رسول کریم ﷺ کو کہ آپ نے نماز میں دایاں ہاتھ بائیں پر ناف کے نیچے رکھا۔ اس کو ابن ابی شیبہ نے روایت کیا۔

شیخ قاسم بن قطلوبغا حنفی نے فرمایا کہ اس کی سند جید ہے (شرح ترمذی لابن الطیب) سندھی نے اس کے رجال کو ثقہ کہا۔ محمد منی نے اس کی سند کو قوی فرمایا۔ اس حدیث پر دو اعتراض کئے جاتے ہیں۔

ایک یہ کہ یہ حدیث ابن ابی شیبہ میں نہیں۔ علامہ حیات سندھی نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے کہ میں نے مصنف کا نسخہ دیکھا۔ اس میں یہ حدیث ہے لیکن تَحْتَ السَّرَّةِ (ناف کے نیچے) کا لفظ نہیں۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس حدیث میں علقمہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں حالانکہ انہوں نے اپنے باپ سے سماع (۱) نہیں کیا۔

پہلے اعتراض کا جواب معترض نے صرف علامہ حیات سندھی کی شہادت وہ بھی عدم وجدان (۲) کی پیش کی۔ میں کہتا ہوں ممکن ہے علامہ حیات کو یہ لفظ نہ ملا ہو۔ یا جس نسخہ میں انہوں نے دیکھا وہاں سہو کاتب سے رہ گیا ہو۔ ہم اس لفظ کے موجود ہونے پر دو شہادتیں پیش کرتے ہیں۔ وہ بھی اثبات پر کہ مثبت نافی پر مقدم ہوتا ہے۔ حافظ قاسم بن قطلوبغا تَخْرِیْجُ أَحَادِيثِ الْإِخْتِيَارِ شَرْحُ الْمُخْتَارِ میں اس حدیث کو بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ لکھ کر فرماتے ہیں:

هَذَا سَنَدٌ جَيِّدٌ وَ قَالَ الْعَلَامَةُ مُحَمَّدٌ أَبُو الطَّيِّبِ  
الْمَدَنِيُّ فِي شَرْحِ التِّرْمِذِيِّ هَذَا حَدِيثٌ قَوِيٌّ مِنْ حَيْثُ  
السَّنَدِ وَ قَالَ الشَّيْخُ عَابِدُ بْنُ السَّنْدِ هِيَ فِي الطَّوَالِعِ الْأَنْوَارِ  
رِجَالُهُ ثِقَاتٌ - آثار السنن ص ۷۰

یہ سند جید ہے علامہ مدنی شرح ترمذی میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث



مِنْ حَيْثُ السُّنْدُ قَوِيٌّ هُوَ۔ شیخ عابد سندھی طوالمح الانوار میں فرماتے ہیں کہ اس کے راوی سب ثقہ ہیں۔ دیکھئے حافظ قاسم بن قطلوبغا جو کہ علامہ ابن الہمام کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں جو فن حدیث وفقہ میں متبحر (بہت بڑے عالم) تھے اس حدیث کو ابن ابی شیبہ کے حوالہ سے لکھ کر اس کی سند کو جید فرماتے ہیں۔ عابد سندھی کی شہادت بھی پیش کرتے ہیں۔ پھر بھی معترضین کو انکار ہے۔ اور سنئے علامہ قاسم سندھی اپنے رسالہ فوز الکرام میں فرماتے ہیں:-

إِنَّ الْقَوْلَ يَكُونُ هَذِهِ الزِّيَادُ غَلَطًا مَعَ جَزْمِ الشَّيْخِ قَاسِمٍ بَعَزَوْهَا إِلَى الْمُصَنِّفِ وَ مُشَاهَدَتِي إِيَّاهَا فِي نُسْخَةٍ وَ الْحَدِيثِ وَالْأَثَرِ لَا يَلِيقُ بِالْإِنْصَافِ قَالَ وَ رَأَيْتُهُ بَعَيْنِي فِي نُسْخَةٍ صَحِيحَةٍ عَلَيْهَا الْأَمَارَاتُ الْمَصَحَّحَةُ وَ قَالَ فَهَذِهِ الزِّيَادَةُ فِي أَكْثَرِ نُسَخِ صَحِيحَةٍ - آثار السنن ص ۷۱

کہ یہ کہنا کہ زیادت تحت السره غلط ہے انصاف نہیں۔ باوجود اس کے کہ شیخ قاسم نے یقینی طور پر اس کو مصنف کی طرف منسوب کیا اور میں نے بھی اس زیادت کو ایک نسخہ میں دیکھا اور شیخ عبدالقادر مفتی حدیث کے خزانہ میں جو مصنف کا نسخہ ہے اس میں بھی موجود ہے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے ایک صحیح نسخہ میں جس میں علامات تھیں اس زیادت کو دیکھا۔ یہ زیادت یعنی لفظ تحت السره اس حدیث میں مصنف کے اکثر نسخوں میں صحیح ہے۔

علامہ ظہیر احسن نیوی اپنے رسالہ درۃ الغرہ میں لکھتے ہیں کہ مدینہ

منورہ کے قبہ محمودیہ میں جو کتب خانہ ہے اس میں مصنف کا نسخہ ہے۔ اس میں بھی لفظ تحت السرہ اس حدیث میں موجود ہے۔

اب انصاف فرمائیے کہ علامہ قاسم بن قطلوبغا نے مصنف میں اس حدیث کو بلفظ تحت السرہ دیکھا۔ پھر علامہ قاسم سندھی نے اپنے دیکھنے کی شہادت دی اور مصنف کا پتا بھی بتایا۔ پھر علامہ ظہیر احسن نیوی نے بھی دیکھا اور قبہ محمودیہ کے کتب خانہ کا پتا بھی دیا۔ ان کی چشم دید شہادت کے بعد بھی اگر کوئی یہی کہتا جائے کہ مصنف ابن ابی شیبہ میں اس حدیث میں یہ لفظ نہیں تو اس ہٹ دھرمی کا کیا علاج ہو سکتا ہے؟ علامہ حیات کا یہ کہنا کہ شاید کاتب کی نظر چوک گئی ہو اور اس نے نخعی کے اثر کا یہ لفظ حدیث مرفوع میں لکھ دیا ہو ہم کہتے ہیں کہ یہ ہو سکتا ہے اگر صرف ایک ہی نسخہ میں یہ لفظ ہو۔ جب اس لفظ کا اس حدیث میں مصنف کے اکثر نسخوں میں پایا جانا ثابت ہے تو یہ احتمال صحیح نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ سب کاتبوں کا اسی حدیث میں آ کر چوک جانا مانا نہیں جاسکتا۔ ہاں! یہ ہو سکتا ہے کہ جس نسخہ کو علامہ حیات نے دیکھا ہو اس میں کاتب کے سہو سے یہ لفظ رہ گیا ہو۔

دوسرے اعتراض کا جواب: علقمہ نے اپنے باپ سے سنا ہے اور یہی صحیح ہے۔ علقمہ کے بھائی عبدالجبار نے اپنے باپ سے نہیں سنا وہ اپنے باپ کی موت کے بعد پیدا ہوئے۔

ترمذی ابواب الحدود ص ۵۷ میں لکھتے ہیں:-

سَمِعْتُ مُحَمَّدًا يَقُولُ عَبْدُ الْجَبَّارِ بْنُ وَائِلِ بْنِ حَجَرٍ  
لَمْ يَسْمَعْ مِنْ أَبِيهِ وَلَا أَدْرَكَهُ يُقَالُ إِنَّهُ وَلِدَ بَعْدَ مَوْتِ أَبِيهِ  
بِالشَّهْرِ -

کہ میں نے امام بخاری سے سنا وہ فرماتے تھے کہ عبد الجبار بن وائل  
نے اپنے باپ سے نہیں سنا اور نہ ان کو پایا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ باپ کی موت کے  
کئی ماہ بعد پیدا ہوئے۔

پھر چند سطر آگے صاف تصریح کرتے ہیں کہ:

عَلَقْمَةُ بْنُ وَائِلِ بْنِ حَجَرٍ سَمِعَ عَنْ أَبِيهِ وَهُوَ أَكْبَرُ مِنْ  
عَبْدِ الْجَبَّارِ بْنِ وَائِلِ لَمْ يَسْمَعْ عَنْ أَبِيهِ -

یعنی علقمہ نے اپنے باپ سے سنا ہے وہ عبد الجبار سے بڑے ہیں۔  
عبد الجبار نے اپنے باپ سے نہیں سنا۔

نسائی ص ۱۰۵ باب دَفْعُ الْيَدَيْنِ عِنْدَ الرَّفْعِ مِنَ الرُّكُوعِ  
میں ایک حدیث ہے جس میں علقمہ کہتے ہیں - حَدَّثَنِي أَبِي - اسی طرح  
بخاری کے جزء رفع یدین ص ۹ میں علقمہ حَدَّثَنِي أَبِي کہتے ہیں - جس سے  
معلوم ہوا کہ علقمہ کو اپنے باپ سے سماع حاصل ہے - کیونکہ تحدیث (۱) اکثر  
اہل حدیث کے نزدیک سماع پر دال ہے - اسی طرح صحیح مسلم ص ۱۷۳، ج اول  
اور ص ۶۱ میں علقمہ اپنے باپ سے تحدیث کرتے ہیں - اگر حدیث علقمہ کی اپنے



نے روایت کیا ہے۔ عبد الجبار نے اپنے باپ سے نہیں سنا۔ ان دونوں کے درمیان علقمہ بن وائل (واسطہ) ہیں۔ معلوم ہوا کہ جس نے اپنے باپ سے نہیں سنا وہ عبد الجبار ہے۔ علقمہ نے اپنے باپ سے سنا ہے۔ ابن حجر نے بیشک تقریب میں لکھا ہے کہ علقمہ نے اپنے باپ سے نہیں سنا لیکن ہم ابن حجر سے ہی دکھاتے ہیں کہ انہوں نے تلخیص الحبیر کے ص ۹۷ میں اور ص ۱۰۴ میں لکھا ہے

أَنَّ عَبْدَ الْجَبَّارِ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ أَبِيهِ

کہ عبد الجبار نے اپنے باپ سے نہیں سنا۔

بلوغ المرام کے صفۃ الصلوٰۃ کے باب میں حدیث وائل ہے جس میں حضور ﷺ کے دائیں بائیں سلام پھیرنے کا ذکر ہے۔ اخیر میں لکھتے ہیں

رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ

اس سند میں علقمہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ اگر ابن حجر کے نزدیک علقمہ نے اپنے باپ سے نہ سنا ہوتا تو اس حدیث کو ابن حجر صحیح نہ کہتے۔ معلوم ہوا کہ ابن حجر کے نزدیک صحیح اور مختار یہی ہے کہ علقمہ نے اپنے باپ سے سنا ہے۔

اب ہم نہیں سمجھتے کہ غیر مقلدین کے پاس اس حدیث پر عمل نہ کرنے کی کونسی وجہ وجیہ (۱) ہے۔ اگر وہ عمل نہیں کرتے تو نہ کریں۔ مگر حضرات احناف کو تو اس پر عمل نہ کرنے کی ترغیب نہ دیں۔

ابوداؤد میں حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

السُّنَّةُ وَضَعُ الْكُفِّ تَحْتَ السُّرَّةِ

ترجمہ: کہ ہتھیلی کا ہتھیلی پر ناف کے نیچے رکھنا سنت ہے۔

اس حدیث کو ابو داؤد، ابن ابی شیبہ، احمد، دارقطنی اور بیہقی نے روایت

کیا ہے۔ (۱)

اصول حدیث میں یہ مسئلہ مُسَلَّم ہے کہ صحابی جب کسی امر کو سنت کہے تو اس سے سنت نبوی مراد ہوتی ہے۔ ابو داؤد نے اس حدیث پر سکوت کیا۔ اور جس حدیث پر ابو داؤد سکوت کریں وہ ان کے نزدیک قابل حجت ہوتی ہے۔ امام نووی اذکار ص ۸ میں لکھتے ہیں:

مَا رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ فِي سُنَنِهِ وَ لَمْ يَذْكُرْ ضَعْفَهُ فَهُوَ

عِنْدَهُ صَحِيحٌ أَوْ حَسَنٌ وَ كِلَاهُمَا يُحْتَجُّ بِهِ فِي الْأَحْكَامِ۔

یعنی ابو داؤد جس حدیث کو اپنے سنن میں روایت کریں اور اس کا ضعف بیان نہ کریں وہ ان کے نزدیک صحیح یا حسن ہوتی ہے۔ اور احکام میں یہ دونوں قابل حجت ہیں۔

اس حدیث کے راوی عبد الرحمن بن اسحق پر جتنی جروح (۲) ہیں سب مبہم اور غیر مفسر ہیں (۳)۔ اصول حدیث میں یہ امر مُسَلَّم ہے کہ جرح مبہم

(۱) السنن ابو داؤد ۲۰۱/۱، المصنف ابن ابی شیبہ ۳۴۳/۱، المسند لامام احمد

۱۱۰/۱، الدارقطنی ۲۸۶/۱، البیہقی ۳۱/۲۔ (۲) جرح کی جمع ہے مراد یہ ہے کہ طعن کرنے والا کسی راوی کے بارے میں کہے کہ فلاں اکذب الناس ہے یا کہے کہ فلاں روایت کرنے میں محتاط نہیں یا فلاں کی یادداشت کمزور ہے وغیرہ۔ (۳) ایسی جرح کہ جسمیں جرح کا سبب بیان نہ کیا جائے۔

حدیث وائل بن حجر جس میں ہاتھوں کا باندھنا آیا ہے ابن خزیمہ کے حوالہ سے بعض محدثین نے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ کسی معتبر کتاب میں مجھے اس کی سند نہیں ملی۔ حافظ ابن قیم اعلام الموقعین کے ص ۶ ج ۲ میں اس حدیث کا ذکر کر کے فرماتے ہیں لَمْ يَقُلْ عَلَى صَدْرِهِ غَيْرُ مُؤَمَّلٍ بِنِ إِسْمَاعِيلَ۔ کہ مؤمل بن اسماعیل کے سوا اس حدیث میں عَلَى صَدْرِهِ کسی نے نہیں کہا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن خزیمہ کی سند میں بھی مؤمل بن اسماعیل ضرور ہے اور وہ ضعیف ہے۔ ابوحاتم نے اس کو کثیر الخطا کہا، امام بخاری نے منکر الحدیث۔ ابوزرعہ کہتے ہیں کہ اس کی حدیث میں خطا بہت ہے (میزان) علامہ مزی نے تہذیب الکمال میں، حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں لکھا ہے:

قَالَ غَيْرُهُ دُفِنَ كُتُبُهُ وَ كَانَ يُحَدِّثُ مِنْ حِفْظِهِ فَكَثُرَ  
خَطَاؤُهُ کہ اس کی کتابیں دفن کی گئیں۔ وہ اپنے حفظ سے حدیث بیان کرتے  
تھے اس لئے ان سے بہت خطا واقع ہوئی۔ (۱)

تہذیب التہذیب میں سلیمان بن حرب کا قول نقل کیا ہے:

وَقَدْ يَجِبُ عَلَى أَهْلِ الْعِلْمِ أَنْ يَقْفُوا عَنْ حَدِيثِهِ فَإِنَّهُ  
يُرْوَى الْمَنَكِيرَ عَنْ شَيْوَحِهِ وَ هَذَا أَشَدُّ فَلَوْ كَانَتْ هَذِهِ  
الْمَنَكِيرُ عَنِ الضُّعَفَاءِ لَكُنَّا نَجْعَلُ لَهُ عُذْرًا۔ (۲)

(١) تهذيب التهذيب ٨/ ٣٣٦ - (٢) تهذيب التهذيب ٨/ ٣٣٧ -

یعنی اہل علم پر واجب ہے کہ اس کی حدیث سے بچتے رہیں کیونکہ یہ شخص ثقات سے منکرات روایت کرتا ہے اور یہ بہت برا ہے۔ اگر ضعفاء سے مناکیر روایات کرتا تو اس کو معذور سمجھتے۔ (اور ضعفاء پر منکرات محمول کرتے)۔  
حافظ ابن حجر فتح الباری جز ۲۱ ص ۹۶ میں فرماتے ہیں:

وَ كَذَلِكَ مُؤَمَّلُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ فِي حَدِيثِهِ عَنِ  
الثَّوْرِيِّ ضَعْفٌ کہ مؤمل بن اسماعیل جو ثوری سے روایت کرے اس میں  
ضعف ہے۔ اور یہ حدیث اس نے ثوری سے ہی روایت کی ہے۔ چنانچہ بیہقی  
نے سنن کبریٰ میں اس حدیث کو بروایت مؤمل بن اسماعیل عن الثوری اخراج  
کیا ہے۔ اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ حدیث وائل بن حجر جو کہ ابن خزیمہ نے  
روایت کی ہے صحیح نہیں ہے۔

اسی طرح حدیث قبیسہ بن ہلب جس کو امام احمد نے مسند میں روایت  
کیا ہے صحیح نہیں۔ اس میں سماک بن حرب ہے جس کو شعبہ وابن مبارک وغیرہما  
نے ضعیف کہا (اکمال) ابن مبارک نے سفیان سے نقل کیا کہ ضعیف ہے۔  
امام احمد اس کو مضطرب الحدیث کہتے ہیں۔ صالح جزرہ ضعیف کہتا ہے۔ نسائی  
کہتے ہیں کہ جب وہ منفرد ہو حجت نہیں (میزان) تو ثابت ہوا کہ سینہ پر ہاتھ  
باندھنے کی کوئی حدیث صحیح نہیں۔ وَ لِهَذَا هُوَ الْحَقُّ -



## حدیث { ۱۸ }

عَنْ حُمَيْدِ الطَّوِيلِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا اسْتَفْتَحَ الصَّلَاةَ قَالَ سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ رَوَاهُ الطَّبْرَانِيُّ فِي كِتَابِهِ الْمَفْرَدِ فِي الدُّعَاءِ وَاسْنَادُهُ جَيِّدَةٌ آثَارُ السُّنَنِ (۱)

ترجمہ:- حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب نماز شروع کرتے تو سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ إِلَى آخِرِهِ پڑھتے۔ اس کو طبرانی نے روایت کیا۔

ترمذی (۲) میں حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی ایسا ہی آیا ہے۔ امام ترمذی لکھتے ہیں کہ اکثر اہل علم تابعین وغیرہم کا اسی پر عمل ہے۔ حضرت سیدنا عمر و عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا گیا ہے۔ ترمذی ابوداؤد ابن ماجہ طحاوی میں حضرت سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح آیا ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بغرض تعلیم سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ بالجہر پڑھتے (۳)۔ جن روایتوں میں بجز سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ کے دوسری دعائیں آئی ہیں وہ ہمارے نزدیک محمول برتجد ہیں۔

چنانچہ صحیح ابوعوانہ و نسائی میں اس کی تصریح بھی آئی ہے۔ یا محمول بر ابتداء امر (۱)۔ جیسا کہ شرح منیہ میں ابن امیر حاج نے فرمایا ہے۔

## حدیث { ۱۹ }

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرُ كَانُوا يَفْتَتِحُونَ الصَّلَاةَ بِالْحَمْدِ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ - رَوَاهُ الشَّيْخَانِ (۲)

ترجمہ:- حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ اور حضرت سیدنا ابوبکر صدیق و سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہما نماز الہمد للہ رب العالمین کے ساتھ شروع کرتے تھے۔

اس کو بخاری و مسلم نے روایت کیا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ بِسْمِ اللہ بالجہر نہیں پڑھتے تھے۔ چنانچہ صحیح مسلم کی دوسری روایت (۳) میں اس کی تشریح ہے۔ کہا انس رضی اللہ عنہ نے فَلَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا مِنْهُمْ يَقْرَأُ بِسْمِ اللہِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ یعنی میں نے کسی کو نہیں سنا کہ وہ بِسْمِ اللہ پڑھتا ہو۔ پھر دوسری حدیث میں اس کی صاف تصریح ہے۔ جس کو نسائی (۴) نے روایت کیا۔ فَلَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا مِنْهُمْ يَجْهَرُ بِسْمِ اللہِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ کہ میں نے ان میں سے کسی

(۱) یعنی صاحب شان کام کی ابتداء بسم اللہ سے کرنا (۲) صحیح البخاری، کتاب الاذان

۱۰۳/۱، الصحیح لمسلم ۱۷۲/۱ (۳) ایضاً ۱۷۲/۱۔ (۴) النسائی ۱۰۵/۱۔

کو نہیں سنا کہ بِسْمِ اللّٰہِ جہر سے پڑھتے ہوں۔ تو معلوم ہوا کہ بِسْمِ اللّٰہِ پڑھنے کی نفی نہیں۔ بلکہ اونچی پڑھنے کی نفی ہے۔

## حدیث { ۲۰ }

عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ عَلَّمَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَالَ إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فليؤمّمكم أحدكم وإذا قرأ الإمام فأنصتوا۔

رواہ احمد و مسلم (۱)

ترجمہ:- حضرت سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم و رؤف رحیم ﷺ نے ہمیں سکھایا کہ جب تم نماز کے لئے اٹھو تو چاہئے کہ تم میں سے ایک تمہارا امام بنے اور جب امام پڑھے تو تم چپ رہو۔ اس کو امام احمد و مسلم نے روایت کیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قراءت امام کا حق ہے اور مقتدی کو خاموش رہنے کا حکم ہے۔ یہ حدیث قرآن کریم کی تفسیر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: إِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝

ترجمہ کنز الایمان: اور جب قرآن پڑھا جائے تو اُسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو کہ تم پر رحم ہو۔ (الاعراف ۹/۲۰۴)

(۱) الصحيح لمسلم، ۱/۴۷۱ الدرایۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ ۱/۶۴،  
مُسْنَدُ أَبِي عَوَانَةَ ۲/۱۳۳۔

اس آیت سے یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ پڑھنے والا کون ہو۔ حدیث مذکور نے یہ بیان کر دیا کہ وہ پڑھنے والا امام ہے۔ جب امام قرآن پڑھے تو تم خاموش رہو۔ معلوم ہوا کہ مقتدی فاتحہ خلف الامام نہ پڑھے (۱)۔ یہی صحیح ہے۔ حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا۔ فرمایا رسول کریم ﷺ نے:

إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُوتَمَّ بِهِ فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا وَإِذَا قَرَأَ فَانصِتُوا۔

ترجمہ: امام اس لئے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے۔ جب وہ تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو۔ جب وہ پڑھے تو تم چپ رہو۔ (۲)  
اس کو ابوداؤد ابن ماجہ نسائی وغیرہم نے روایت کیا۔ یہ حدیث بھی صحیح ہے۔ اس کو مسلم نے بھی صحیح کہا ہے۔

## حدیث { ۲۱ }

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْإِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ۔ رَوَاهُ الْحَافِظُ أَحْمَدُ بْنُ مُنِيعٍ فِي مُسْنَدِهِ وَ مُحَمَّدٌ فِي الْمَوْطَأِ وَالطَّحَاوِيِّ وَالذَّارِقُطْنِيِّ (۳)

ترجمہ:- حضرت سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ

(۱) یعنی امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہ پڑھے۔ (۲) النسائی ۱۲/۱۔ (۳) الموطا لامام

نے فرمایا جس شخص کے لئے امام ہو تو امام کا پڑھنا اسی کا پڑھنا ہے۔

یعنی امام کی قراءت مقتدی ہی کی قراءت ہے۔ مقتدی کو خود قرآن میں سے کچھ نہ پڑھنا چاہیے۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔ حدیث لا صلوة جس کو بخاری و مسلم (۱) نے روایت کیا وہ امام اور منفرد کیلئے ہے اس حدیث کی ایک روایت میں فصاعداً بھی آیا ہے یعنی اَلْحَمْدُ اور کچھ زیادہ کے سوا نماز نہیں۔ تو اگر یہ حدیث مقتدی کو بھی عام ہو تو لازم آتا ہے۔ کہ علاوہ فاتحہ کے مقتدی پر سورۃ بھی واجب ہو اور اس کا کوئی قائل نہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ حدیث امام اور منفرد کے لئے ہے۔ ابوداؤد میں سفیان جو اس حدیث کے راوی ہیں فرماتے ہیں لَنْ يُصَلِّيَ وَحْدَهُ کہ یہ حدیث اس شخص کے لئے ہے جو اکیلا نماز پڑھے یعنی مقتدی کے لئے نہیں۔

حدیث عبادہ جس میں نماز فجر کا قصہ ہے وہ ضعیف ہے۔ کسی روایت میں مکحول ہے جو مدلس (۲) ہے۔ اور معنعن (۳) روایت کرتا ہے۔ مدلس کی معنعن قابل حجت نہیں۔ اگر کسی روایت میں اپنے شیخ سے تحدیث بھی کرتا ہے تو شیخ الشیخ سے بلفظ عن روایت کرتا ہے اور اصول حدیث میں لکھا ہے کہ مدلس

(۱) صحیح البخاری ۱/۲۶۴، الصحیح لمسلم ۱/۲۹۵ (۲) مدلس تدلیس کا اسم فاعل ہے اور تدلیس کا لغوی معنی ہے گاہک سے سودے کے عیب کو چھپانا اور اصطلاح میں ”سند میں کسی عیب کو چھپانا اور اس کے ظاہر کی تحسین (تعریف) کرنا“، ملخص از تقریب النواوی مع التدریب ۱/۲۳۰۔  
(۳) یہ معنعن سے مشتق ہے اور اصطلاح میں وہ حدیث ہے جس میں راوی عن فلاں عن فلاں کہے۔

کبھی شیخ الشیخ کو بھی ساقط کرتا ہے۔ اس لئے حجت نہیں اور کسی روایت میں نافع بن محمود ہے جو مستور الحال (۱) ہے۔ کسی روایت میں مکحول عن عبادہ ہے جو مرسل (۲) ہے۔ الغرض کوئی روایت صحیح نہیں۔ اس مسئلہ کی اگر زیادہ تفصیل دیکھنا ہو تو کتاب الدلیل المبین فی ترک القراءة للمقتدیین مؤلفہ جناب محمد حسن فیض پوری میں دیکھئے۔ جو مؤلف کے صاحبزادے سے مل سکتی ہے۔

## حدیث { ۲۲ }

### بلند آواز سے آمین کہنا

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ إِذَا قَالَ الْإِمَامُ  
غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ فَقُولُوا آمِينَ فَإِنَّهُ مَنْ  
وَأَفَقَ قَوْلَ الْمَلَكَةِ غُفِرَ لَهُ، مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ۔ رَوَاهُ  
الْبُخَارِيُّ (۳)

(۱) وہ راوی جس کا نام لیکر دو یا دو سے زائد راویوں نے روایت کی ہو لیکن اسکی عدالت ظاہر اور باطناً نامعلوم ہو اسکی روایت قبول نہیں کی جاتی (۲) لغت میں از سئل کے معنی ہیں کسی چیز کو بغیر قید کے بیان کرنا اصطلاح میں اس سے مراد وہ حدیث ہے کہ جسکی سند کے آخر میں تابعی کے بعد راوی (صحابی) کے نام کو حذف کر دیا جائے وہ مُرْسَل ہے۔ اسکی صورت یہ ہے کہ تابعی کہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، یا یہ کام کیا، یا آپ ﷺ کے سامنے یہ کام کیا گیا، شرح نخبۃ الفکر، ۵۱۔

ترجمہ:- حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم،  
 رُؤفٌ رَّحِيمٌ ﷺ نے فرمایا جب امام غَیْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَیْہُمْ وَلَا الضَّالِّیْنَ  
 کہے تو تم آمین کہو۔ کیونکہ جس کی آمین ملائکہ کی آمین کے ساتھ موافق ہوگئی  
 اس کے پچھلے گناہ معاف ہو گئے۔

اس کو بخاری نے روایت کیا۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ آمین  
 اخفا (۱) کے ساتھ کہنی چاہیے۔ کیونکہ اگر وہ جہر (۲) ہوتی تو آپ ﷺ نہ فرماتے  
 جب امام ”وَلَا الضَّالِّیْنَ“ کہے تم آمین کہو بلکہ یوں فرماتے کہ جب امام  
 آمین کہے تو تم آمین کہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جمہور محدثین نے ”اِذَا  
 اَمَّنَ“ کے معنی ”اِذَا ارَادَ التَّأْمِیْنَ“ کئے ہیں۔ یعنی جب امام آمین کہنے کا ارادہ  
 کرے تو تم آمین کہو۔ اور وہ ارادہ ”وَلَا الضَّالِّیْنَ“ ختم کرنا ہے۔ جمہور  
 نے یہ معنی جمع بین الحدیثین (۳) کیلئے کئے ہیں۔ تو جب اس حدیث کے معنی  
 اِذَا ارَادَ التَّأْمِیْنَ ہوئے تو اس سے جہر آمین ثابت نہیں ہوتا۔

علاوہ اسکے ایک دوسری حدیث میں جس کو امام احمد نسائی دارمی (۴)  
 نے روایت کیا ہے آیا ہے فَإِنَّ الْإِمَامَ يَقُولُ آمِينَ کہ امام بھی آمین کہتا  
 ہے، اس سے بھی معلوم ہوا کہ آمین بالجہر نہ تھی۔ اگر جہر ہوتی تو امام کے فعل  
 کے اظہار کی ضرورت نہ پڑتی۔

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مقتدی فاتحہ نہ پڑھے۔ کیونکہ

(۱) پست آواز۔ (۲) اونچی آواز۔ (۳) دو حدیثوں کا جمع کرنا۔ (۴) النسائی ۴۳/۲۔

اگر مقتدی پر فاتحہ لازم ہوتا تو آپ ﷺ فرماتے جب تم ”غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ“ پڑھو تو آمین کہو۔ بلکہ یوں فرمایا کہ جب امام وَلَا الضَّالِّينَ کہے تو تم آمین کہو۔ معلوم ہوا کہ فاتحہ کا پڑھنا امام پر ہی لازم تھا۔ دوسری حدیث میں اور بھی تصریح فرمادی کہ إِذَا أَمَّنَ الْقَارِئُ فَأَمَّنُوا۔ جب قراءت پڑھنے والا آمین کا ارادہ کرے تو تم بھی آمین کہو۔ پس اگر مقتدی بھی قاری ہوتا تو آپ ﷺ صرف امام کو قاری نہ فرماتے۔

## حدیث { ۲۳ }

### بلند آواز سے آمین کہنا

عَنْ وَائِلِ بْنِ حَجْرٍ أَنَّهُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَلَمَّا بَلَغَ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ قَالَ أَمِينَ أَحْفَىٰ بِهَا صَوْتَهُ۔  
 رَوَاهُ الْحَاكِمُ وَ الطَّبْرَانِيُّ وَ الدَّارِقُطْنِيُّ وَ أَبُو يَعْلَىٰ وَ أَحْمَدُ (۱)  
 ترجمہ:- حضرت وائل بن حجر سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ حضور ﷺ جب ”غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ“ کو پہنچے تو آپ ﷺ نے پوشیدہ آواز سے آمین کہی۔  
 اس حدیث کو حاکم، طبرانی، دارقطنی، ابویعلیٰ اور امام احمد نے روایت کیا۔ یہ حدیث آمین کے اخفا میں نص ہے۔ اس کی سند صحیح ہے۔



حدیثِ سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ اس کی تائید کرتی ہے کہ جب وہ نماز پڑھاتے تو دو بار خاموش ہوتے۔ ایک بار جب نماز شروع کرتے دوسری بار جب ”وَلَا الضَّالِّينَ“ کہتے۔ لوگوں نے اس پر انکار کیا تو انہوں نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو لکھا۔ حضرت سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا کہ سمرہ رضی اللہ عنہ جیسا کرتے ہیں ٹھیک ہے۔ اس حدیث کو دارقطنی و احمد نے بسند صحیح روایت کیا۔ ابوداؤد کی روایت میں سمرہ بن جندب نے ان دونوں سکتوں کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا۔ ظاہر ہے کہ پہلا سکتہ ثناء کے لئے تھا۔ معلوم ہوا کہ آمین پوشیدہ تھی۔ اس حدیث کی سند آثار السنن میں صالح لکھی ہے۔

امام طحاوی ابووائل سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت سیدنا عمرو علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما بسم اللہ شریف اور اعوذ اور آمین میں جہر نہیں کرتے تھے۔ طبرانی کبیر میں ابووائل سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت سیدنا علی و عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما بسم اللہ اور اعوذ اور آمین بلند آواز سے نہیں کہتے تھے۔ جوہر التقی میں بحوالہ ابن جریر طبری ابووائل سے روایت ہے کہ حضرت سیدنا عمرو علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما بسم اللہ اور آمین اونچی نہیں کہتے تھے۔

حدیث وائل بن حجر پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس میں شعبہ نے تین خطائیں کیں۔ اول یہ کہ اس نے حجر ابی العننس کہا ہے حالانکہ وہ حجر بن عننس ہے۔ جس کی کنیت ابوالسکن ہے۔ دوسرا یہ کہ شعبہ نے اس حدیث میں علقمہ بن وائل کو زیادہ کیا ہے۔ حالانکہ حجر بن عننس عن وائل بن حجر صحیح ہے۔ تیسرا یہ کہ

اس نے خَفَضَ بِهَا صَوْتَهُ کہا ہے حالانکہ مَدَّ بِهَا صَوْتَهُ ہے۔ اور یہ بھی اعتراض کیا جاتا ہے کہ علمہ نے اپنے باپ سے نہیں سنا۔ بلکہ وہ اپنے باپ کی موت کے چھ مہینے بعد پیدا ہوئے۔

پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ حجر بن عنبس کی کنیت ابوالعنبس بھی ہے۔ اور ابوالسکن بھی۔ ایک شخص کی دو کنیتیں ہونا بعید نہیں ہے۔ ابن حبان کتاب النقات میں فرماتے ہیں۔

حَجْرُ بْنُ عَنبَسٍ أَبُو السَّكْنِ الْكُوفِيُّ وَهُوَ الَّذِي يُقَالُ  
لَهُ حَجْرٌ أَبُو الْعَنْبَسِ يَرْوِي مِنْ عَلِيٍّ وَوَائِلِ بْنِ حَجَرٍ رَوَى  
عَنْهُ سَلَمَةُ بْنُ كَهْمَلٍ اِنْتَهَى۔ آثار السنن ص ۹۶۔

حجر بن عنبس ابوالسکن کوئی وہ ہیں جنہیں ابوالعنبس بھی کہا جاتا ہے۔ ابوداؤد نے آئین کے باب میں ثوری سے بھی حجر بن عنبس کی کنیت ابوالعنبس نقل کی ہے۔ بیہقی نے سنن میں بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ دارقطنی نے تو کعب اور محارب سے یہی نقل کیا ہے کہ انہوں نے ثوری سے اس کی کنیت ابوالعنبس روایت کی۔ کشف الاستار عن رجال معانی الآثار میں بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ معلوم ہوا کہ حجر بن عنبس کی کنیت ابوالعنبس بھی ہے۔ اس میں شعبہ کی خطا نہیں ہے۔ نہ شعبہ اس میں منفرد ہیں۔ بلکہ محمد بن کثیر اور کعب اور محارب بھی یہی نقل کرتے ہیں۔

دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ بعض روایات میں تصریح یہ ہے

کہ حجر بن عنبس نے علقمہ سے بھی سنا ہے اور خود وائل سے بھی اس حدیث کو سنا ہے۔ چنانچہ امام احمد نے اپنے مسند میں روایت کیا ہے۔

عَنْ حَجَرِ أَبِي الْعَنْبَسِ قَالَ سَمِعْتُ عَلْقَمَةَ بْنَ وَائِلٍ  
يُحَدِّثُ عَنْ وَائِلٍ وَ سَمِعْتُ مِنْ وَائِلٍ قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُولُ  
اللَّهِ ﷺ - (۱)

ابوداؤد طیالسی نے بھی ایسا ہی روایت کیا ہے۔ ابو مسلم کجی نے بھی اپنی سنن میں ایسا ہی روایت کیا ہے (آثار السنن) تو معلوم ہوا کہ شعبہ نے اس میں بھی خطا نہیں کی۔ کیونکہ حجر نے یہ حدیث علقمہ سے بھی سنی اس لئے اس نے علقمہ کا ذکر کیا۔ اور وائل سے بھی سنی۔ اس لئے کسی وقت علقمہ کا ذکر نہیں کیا۔ اور حدیث ۷۱ میں ہم مفصل ذکر کر آئے ہیں کہ علقمہ نے اپنے باپ سے سنا ہے فلا نعیده۔

رہی یہ بات کہ سفیان مَدَّ بِهَا صَوْتَهُ کہتے ہیں اور شعبہ حَفَضَ بِهَا تو کس کی روایت کو ترجیح ہوگی۔ میں کہتا ہوں کہ شعبہ کی روایت کو ترجیح ہے۔ اس لئے کہ شعبہ تدلیس کو اچھا نہیں سمجھتے تھے بلکہ فرماتے تھے کہ میں آسمان سے گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاؤں تو اس سے بہتر ہے کہ میں تدلیس کروں

(۱) ترجمہ: حجر بن عنبس سے روایت ہے، کہتے ہیں میں نے علقمہ بن وائل کو وائل سے حدیث بیان کرتے ہوئے سنا اور میں نے وائل سے (بھی) سنا کہ وہ کہتے ہیں ہمیں رسول کریم ﷺ نے نماز پڑھائی۔

(تذکرۃ الحفاظ) اور سفیان ضعفاء (۱) سے بھی تدلیس کیا کرتے تھے۔ تو شعبہ کی روایت میں تدلیس کا شبہ نہیں اس لئے اس کو ترجیح ہوگی۔ اور سفیان کی روایت میں تدلیس کا شبہ ہے۔ دوسری وجہ ترجیح یہ ہے کہ آمین دعا ہے اور اصل دعا میں اخفا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

أَدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً۔ (الاعراف ۵۵/۸)

ترجمہ کنز الایمان: اپنے رب سے دعا کرو گڑ گڑاتے اور آہستہ۔

اور اکثر صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم آمین خفیہ کہتے تھے۔ جیسا کہ جوہر التقی ص ۱۳۲ میں ہے اس لئے شعبہ کی روایت رائج ہوگی۔

نیز حدیث مَدَّ بِهَا صَوْتَهُ کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ آپ آمین کو بغتہ مد پڑھتے تھے نہ قصر۔ علاوہ اس کے آمین کی ایک حد بھی حدیث میں آئی ہے وہ حَتَّى سَمِعَ مِنْ يَلِيهِ مِنَ الصَّفِّ الْأَوَّلِ ہے۔ کہ صف اول کے وہ لوگ جن کے لئے حضور نبی کریم ﷺ نے تعلیم کے لئے آواز دراز فرمائی۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ حضور ﷺ کے مقتدیوں کا آمین بالجہر ہرگز ثابت نہیں۔ تو آج کل مدعیان عمل بالحدیث کا امام کے پیچھے زور سے آمین کہنا محض بے دلیل ہے۔

---

(۱) ضعیف کی جمع ہے۔ اس کے معنی کمزور کے ہیں، یہاں مراد فنِ اصول حدیث میں ضعیف راوی ہیں۔

## حدیث { ۲۴ }

### رفع یدین

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ  
فَقَالَ مَالِي أَرَأَيْكُمْ رَافِعِي أَيِّدِيكُمْ كَأَنَّهَُا أَذْنَابُ خَيْلٍ شَمْسٍ  
أُسْكُنُوا فِي الصَّلَاةِ - رَوَاهُ مُسْلِمٌ (۱)

ترجمہ:- حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا انہوں نے  
نکلے ہم پر رسول کریم ﷺ اور فرمایا کیا ہے مجھے کہ میں تمہیں رفع یدین کرتا ہوا  
دیکھتا ہوں گویا کہ سرکش گھوڑوں کی دم ہیں۔ نماز میں آرام کیا کرو۔

اس کو مسلم نے روایت کیا۔ اس حدیث میں ظاہر ہے کہ حضور ﷺ نے  
حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو نماز میں رفع یدین (۲) کرتے ہوئے دیکھا اور منع فرمایا۔  
جس سے ثابت ہوا کہ رفع یدین سنت نہیں بلکہ منسوخ (۳) ہے۔ یہ جو بعض  
کہتے ہیں کہ اس حدیث میں بوقت سلام رفع یدین کرنے کی ممانعت ہے صحیح  
نہیں۔ وہ حدیث جس میں بوقت سلام اشارہ کرنے کی ممانعت ہے دوسری  
ہے۔ ان دونوں حدیثوں میں فرق ہے۔ اس حدیث میں رفع یدین کا ذکر ہے

(۱) الصحيح لمسلم ۱۸۱/۱، ابوداؤد ۱۴۳/۱۔ (۲) دونوں ہاتھوں کا اٹھانا۔

(۳) جب شریعت کوئی نیا حکم دے اور وہ پچھلے حکم کو ختم کر دے تو اس نئے حکم کو ناسخ اور پچھلے ختم ہونے  
والے حکم کو منسوخ کہتے ہیں۔ لہذا اس حدیث نے رفع یدین والی حدیث کے حکم کو منسوخ کر دیا۔

دوسری میں رفع یدین کا ذکر نہیں۔ بلکہ اِیْمَاءُ بِالْیَدَیْنِ کا ذکر ہے۔ کسی روایت میں تَوَمُّون ہے کسی میں تشیرون۔ نیز اس حدیث میں اُسْكُنُوا فِی الصَّلٰوۃِ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رفع یدین نماز میں تھا جس کی ممانعت ہوئی اور سکون کا حکم فرمایا۔ دوسری حدیث میں یہ لفظ ہی نہیں کیونکہ سلام نماز کا معروف نہیں (۱)۔ تو اشارہ بالیدین بوقت سلام بھی معروف نماز نہیں۔ اور اس حدیث میں حضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے کا ذکر نہیں اور دوسری حدیث میں حضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے کا ذکر ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ دونوں حدیثیں الگ الگ ہیں۔ یہ حدیث رفع یدین کی ممانعت میں ہے۔ دوسری بوقت سلام اشارہ بالیدین کی ممانعت میں۔ ان دونوں حدیثوں کو ایک سمجھنا باوجود اس اختلاف کے جو ہم نے ذکر کیا ہے خوش فہمی ہے۔

### اعتراض:

عیدین اور وتروں کے لئے کچھ ایسی خصوصیات ہیں جو کہ دوسری نمازوں میں نہیں۔ مثلاً عیدین کے لئے شہر کا شرط ہونا۔ اور شہر سے باہر نکل کر عید پڑھنا خطبہ نماز عید کے بعد پڑھنا۔ وتر کا طاق ہونا۔ دعا قنوت پڑھنا۔ تو اسی طرح رفع یدین جو عیدین یا وتروں میں کیا جاتا ہے۔ وہ بھی ان دونوں نمازوں کی خصوصیات سے ہے۔

علاوہ اس کے جس نماز کو حضور ﷺ نے دیکھ کر صحابہ رضی اللہ عنہم کو رفع یدین

سے منع فرمایا وہ نماز عید نہ تھی اگر عید ہوتی تو حضور ﷺ خود امام ہوتے اور نماز وتر بھی نہ تھی۔ کیونکہ تروں میں جماعت اور ان کا مسجد میں ادا کرنا آپ ﷺ کی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عادات مستمرہ (۱) سے نہ تھا۔ بلکہ گھروں میں اکیلے اکیلے پڑھنے کی عادت تھی۔ تو معلوم ہوا کہ وہ بھی رَفْعُ يَدَيْنِ عِنْدَ الرُّكُوعِ وَالرَّفْعِ عَنْهُ (۲) تھا جو حضور کے اس فرمان مبارک کے بعد منسوخ ہوا۔

## حدیث { ۲۵ }

عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَلَا أَصَلِّي بِكُمْ صَلَاةَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَصَلَّيْ وَلَمْ يَرَفْعْ يَدَيْهِ إِلَّا مَرَّةً - أَبُو دَاوُدَ (۳)

ترجمہ:- حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی نماز پڑھ کر نہ دکھاؤں؟ پھر نماز پڑھی اور ایک بار (تحریمہ) کے سوا ہاتھ نہ اٹھائے۔

اس حدیث کو ابوداؤد، ترمذی و نسائی نے روایت کیا۔ ترمذی نے اس کو حسن کہا اور فرمایا کہ اس حدیث پر بہت صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کا عمل ہے۔ اور سفیان ثوری علیہ الرحمۃ اور اہل کوفہ کا یہی قول ہے۔ اس حدیث کے سب راوی ثقہ ہیں۔ ابن حزم نے اس کو صحیح کہا ہے۔ بعض محدثین نے عاصم بن کلیب پر

(۱) ایسی عادات کہ جو ہمیشہ سے ہوں۔ (۲) رکوع میں جاتے وقت اور اُٹھتے ہوئے دونوں ہاتھوں کا

کچھ کلام کیا ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ ثقہ ہے۔ نسائی اور ترمذی بن معین نے ان کو ثقہ کہا۔ مسلم نے صحیح میں اس کی روایت کی۔ ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا۔ ابو حاتم نے اس کو صالح کہا وَالْبَسْطُ فِي تَرْوِيحِ الْعَيْنَيْنِ لِلْعَلَامَةِ الْفَيْضِ فُودِي امام طحاوی حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے بسند صحیح روایت کرتے ہیں کہ بجز تکبیر تحریمہ کے وہ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بسند صحیح امام طحاوی وابن ابی شیبہ نے روایت کیا کہ وہ پہلی تکبیر کے وقت رفع یدین کرتے تھے۔ پھر نہیں کرتے تھے۔ اسی طرح عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

الحاصل خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم سے بھی رفع یدین بسند صحیح ثابت نہیں۔ اگر یہ فعل سنت ہوتا تو خلفاء اربعہ کا اس پر ضرور عمل ہوتا۔ معلوم ہوا کہ یہ سنت نہیں۔ دیکھو بخاری کی حدیث میں آتا ہے:

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُصَلِّي وَهُوَ حَامِلٌ أُمَامَةً (۱)

کہ حضور ﷺ امامہ کو (جو آپ ﷺ کی نواسی تھیں) اٹھا کر نماز پڑھتے تھے۔ یہاں بھی كَانَ يُصَلِّي ہے۔ اور رفع یدین کی حدیث میں بھی كَانَ يُصَلِّي ہے۔ اگر رفع یدین ہر نماز میں سنت ہے تو نواسی کو اٹھانا بھی ہر نماز میں سنت ہونا چاہیے۔ تو ان مدعیان عمل بالحدیث کیلئے لازم ہے کہ ہر نماز میں اپنی نواسی یا کم سے کم لڑکی کو اٹھا کر نماز پڑھیں۔ کیونکہ حضور ﷺ سے ثابت ہے۔



بلکہ رفع یدین کے بارے میں تو نہ کرنے کی بھی حدیث آئی ہے لیکن لڑکی کو اٹھانے کی نہ ممانعت آئی ہے نہ کسی حدیث میں آیا ہے کہ فلاں نماز میں آپ ﷺ نے کسی لڑکی کو نہیں اٹھایا۔ فَمَا هُوَ جَوَابُكُمْ فَهُوَ جَوَابُنَا ؟

## حدیث { ۲۶ }

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا قَالَ  
الْإِمَامُ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا اللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ فَإِنَّهُ  
مَنْ وَافَقَ قَوْلَهُ، قَوْلَ الْمَلَكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ - مُتَّفَقٌ  
عَلَيْهِ (۱)

ترجمہ:- حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا رسول کریم ﷺ نے جب امام سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ کہے تو تم اللھمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہو۔ بے شک جس شخص کا قول فرشتوں کے قول کے موافق ہو اس کے اگلے سب گناہ بخشے جاتے ہیں۔

اس کو بخاری و مسلم نے روایت کیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مقتدی صرف رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہے۔ اسے سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ کہہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ سَمِعَ اللَّهُ کہنا امام کا وظیفہ ہے۔  
حضرت سیدنا عاشر شعبی رضی اللہ عنہ نے پانچ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زیارت کی۔

وہ فرماتے ہیں لَا يَقُولُ الْقَوْمُ خَلَفَ الْإِمَامَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ وَلَكِنْ يَقُولُونَ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ۔ اخرجہ ابو داؤد کہ امام کے پیچھے مقتدی سَمِعَ اللَّهُ نہ کہیں۔ وہ صرف رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہیں۔ اس کو ابوداؤد نے روایت کیا۔ (۱) اور احادیث میں جو دعاء رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ سے زیادہ آئی ہے وہ یا تو اس حدیث سے پہلے پر محمول ہے یا حالت انفراد پر یا تَطَوُّع (۲) پر محمول ہے۔

## { ۲۷ } حدیث

عَنْ وَاِئِلِ بْنِ حَجَرٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ إِذَا سَجَدَ وَضَعَ رُكْبَتَيْهِ قَبْلَ يَدَيْهِ وَإِذَا نَهَضَ رَفَعَ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ۔ رَوَاهُ الْإِسْبَغِيُّ وَابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ حَبَانَ (۳)

ترجمہ:- حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو دیکھا جب سجدہ کرتے اپنے گھٹنوں کو ہاتھوں سے پہلے رکھتے اور جب اٹھتے تو ہاتھوں کو پہلے اٹھاتے۔

اس کو ترمذی، نسائی، ابوداؤد ابن ماجہ وغیرہم نے روایت کیا۔ ترمذی نے اس کو حسن کہا۔ علامہ الحی نے حاشیہ شرح وقایہ میں اس کی سند کو قوی فرمایا۔ ابن حبان نے اس کو صحیح کہا جمہور اہل علم کا اسی حدیث پر عمل ہے۔

(۱) ابوداؤد ۲۲۳/۱ - (۲) نوافل - (۳) جامع الترمذی ۵۶/۲، ابوداؤد ۲۲۲/۱، السنن

## حدیث { ۲۸ }

عَنْ عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلَبِ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ إِذَا سَجَدَ الْعَبْدُ سَجَدًا مَعَهُ سَبْعَةُ أَرَابٍ وَجْهَهُ، وَكَفَّاهُ وَرُكْبَتَاهُ وَقَدَمَاهُ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ (۱)

ترجمہ:- حضرت سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا فرماتے تھے جب بندہ سجدہ کرتا ہے تو اس کے ساتھ سات اعضاء سجدہ کرتے ہیں۔ ایک منہ اور اس کے دونوں ہاتھ اور دونوں زانو اور دونوں قدم۔ اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اور اہل علم کا اسی پر عمل ہے۔ صحیح مسلم (۲) کی ایک روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً آیا ہے الْجَبْهَةُ وَالْأَنْفُ وَالْيَدَيْنِ وَالرُّكْبَتَيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ۔ وہ سات اعضاء پیشانی اور ناک اور دونوں ہاتھ اور دونوں زانو اور دونوں قدم آیا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ پیشانی اور ناک ایک عضو ہے۔ اگر صرف پیشانی رکھے تو بھی اور صرف ناک رکھے تو بھی سجدہ جائز ہو جائے گا۔ لیکن ایسا کرنا نہ چاہیے۔ پیشانی اور ناک دونوں لگانا چاہیے۔

## حدیث { ۲۹ }

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مَرَّ عَلَى امْرَأَتَيْنِ تَصَلِّيَانِ فَقَالَ إِذَا  
سَجَدْتُمَا فَضُمَّا بَعْضَ اللَّحْمِ إِلَى الْأَرْضِ فَإِنَّ الْمَرْءَ لَا لَيْسَتْ  
فِي ذَلِكَ كَرَجُلٍ - (۱)

ترجمہ: کہ رسول کریم ﷺ دو عورتوں پر گزرے جو نماز پڑھ رہی تھیں تو  
آپ ﷺ نے فرمایا: إِذَا سَجَدْتُمَا فَضُمَّا بَعْضَ اللَّحْمِ کہ جب تم سجدہ  
کرو تو اپنے بعض اعضاء کو زمین کے ساتھ چسپاں کرو۔ یعنی پیٹ رانوں کے  
ساتھ اور ہاتھ زمین کے ساتھ چمٹ جائیں۔ اس حدیث کو ابوداؤد و مراسیل میں  
اور بیہقی سنن میں لائے ہیں۔ ایک دوسری حدیث میں بیہقی نے مرفوعاً روایت  
کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب عورت سجدہ کرے تو اپنے پیٹ کو اپنی رانوں  
کے ساتھ لگائے۔ جس سے زیادہ پردہ ہو۔ میں کہتا ہوں اگرچہ پہلی حدیث  
مرسل ہے اور یہ دوسری ضعیف مگر کوئی صحیح حدیث ایسی نہیں جس میں عورتوں  
کے مردوں کی طرح رانیں اٹھا کر سجدہ کرنے کا حضور ﷺ نے حکم دیا ہو۔ اور  
مرسل اکثر ائمہ کے نزدیک حجت ہے۔ اور دو مرفوع متصل حدیثیں اس کی تائید  
میں ہیں۔ نیز حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا قول بھی فَلْتَضُمَّ فَحْدَيْهَا اور ابراہیم  
نخعی کا قول جو بیہقی نے نقل کیا ہے كَانَتِ الْمَرْأَةُ تُوْمَرُ إِذَا سَجَدَتْ أَنْ  
تَلْزِقَ بَطْنَهَا بِفَحْدَيْهَا كَيْلَا تَرْفَعَ عُجْزَتَهَا وَلَا تَجَاهِيَ كَمَا

يَجَافِي الرَّجُلُ - (۱) بھی اسی کا مؤید ہے۔

## حدیث { ۳۰ }

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَنْهَضُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى صُدُورِ قَدَمَيْهِ - رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ (۲)

ترجمہ:- حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم، رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اپنے قدموں کے کنارہ پر کھڑے ہوتے تھے۔

اس کو ترمذی نے روایت کیا۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ نے اپنی قوم کو جمع کیا اور فرمایا کہ سب مرد عورتیں جمع ہو جاؤ میں تمہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سکھاتا ہوں۔ لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے نماز شروع کی۔ الحمد اور سورت پڑھ کر رکوع کیا پھر قومہ کیا پھر تکبیر کہی اور سجدہ کرتے ہوئے گرے پھر تکبیر کہی تو سر اٹھایا پھر تکبیر کہی اور سجدہ کیا۔ پھر تکبیر کہی اور اٹھ کھڑے ہوئے یعنی جلسہ نہ کیا۔ اسکو امام احمد نے روایت کیا۔

(۱) ترجمہ: عورت کو حکم دیا گیا ہے کہ جب وہ سجدہ کرے تو اپنے پیٹ کو اپنی رانوں کے ساتھ ملا لے تاکہ اُس کی سرین بلند نہ ہو اور وہ (اپنی) کروٹ جدا نہ کرے جس طرح مرد (اپنی) کروٹ جدا کرتا ہے۔ (۲) جامع الترمذی ۸۰/۲۔

## حدیث { ۳۱ }

عَنْ وَاِئِلِ بْنِ حَجَرٍ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ  
فَلَمَّا قَعَدَ وَتَشَهَّدَ فَرَشَ قَدَمَهُ الْيُسْرَى عَلَى الْأَرْضِ وَجَلَسَ  
عَلَيْهَا - رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ (۱)

ترجمہ:- حضرت سیدنا وائل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول کریم ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی جب آپ ﷺ بیٹھے اور تشہد پڑھا تو آپ ﷺ نے بایاں قدم زمین پر بچھایا اور اس پر بیٹھے۔

اس کو طحاوی نے روایت کیا۔ اسی طرح عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے آیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نماز کی سنت میں یہ ہے کہ دایاں پاؤں کھڑا کیا جائے اور اس کی انگلیوں کا قبلہ رخ ہونا اور بائیں پاؤں پر بیٹھنا (نماز کی سنن میں سے ہے)۔ اس کو نسائی نے روایت کیا۔ (۲) جس حدیث میں قعدہ اخیرہ میں تَوَرُّكُ (۳) آیا ہے وہ ہمارے علماء کے نزدیک حالت پیری (۴) پر محمول ہے یا کسی عذر پر یا بیان جواز کے لئے اور ہو سکتا ہے کہ سلام کے بعد آپ ﷺ اس طرح بیٹھے ہوں۔ قَالَهُ عَلِيُّ بْنُ الْقَادِرِ فِي الْمِرْقَاةِ۔

(۱) شرح معانی الآثار للطحاوی ۱۸۴۔ (۲) النسائی ۲ / ۲۳۶۔ (۳) یعنی بایاں پاؤں نیچے سے نکال کر سرین پر بیٹھنا (جیسے عورتیں بیٹھتی ہیں)۔ (۴) کبر سنی یعنی بڑھاپے کی حالت۔

## حدیث { ۳۲ }

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ قُلْنَا السَّلَامَ عَلَى اللَّهِ قَبْلَ عِبَادِهِ السَّلَامَ عَلَى جِبْرَائِيلَ السَّلَامَ عَلَى مُيْكَائِيلَ السَّلَامَ عَلَى فُلَانٍ فَلَمَّا انْصَرَفَ النَّبِيُّ ﷺ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ قَالَ لَا تَقُولُوا السَّلَامَ عَلَى اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ السَّلَامُ فَإِذَا جَلَسَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ فَلْيَقُلْ التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَاةُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ فَإِنَّهُ إِذَا قَالَ ذَلِكَ أَصَابَ كُلَّ عَبْدٍ صَالِحٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ - مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ (۱)

ترجمہ:- حضرت سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم جب رسول کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے تو کہتے تھے سلام ہو اللہ ﷻ پر سلام ہو جبرائیل علیہ السلام پر سلام ہو میکائیل علیہ السلام پر سلام ہو فلاں پر۔ تو جب رسول کریم ﷺ نماز سے پھرے تو ہماری طرف منہ کر کے فرمایا یہ نہ کہا کرو کہ اللہ پر سلام ہو کیونکہ اللہ ہی سلام ہے۔ جب تمہارا کوئی نماز میں بیٹھے تو یہ پڑھے

اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ  
وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَ عَلَى عِبَادِ اللّٰهِ  
الصَّالِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ  
رَسُوْلُهُ (۱)۔ اس حدیث کو بخاری و مسلم نے روایت کیا۔

اس حدیث میں سرور عالم ﷺ نے سلام بلفظ خطاب سکھایا۔ اور حضور  
ﷺ کو معلوم تھا کہ لوگ نماز ہمیشہ میرے پاس ہی نہیں پڑھیں گے کوئی گھر  
میں کوئی سفر میں کوئی جنگل میں کوئی کسی جگہ کوئی کسی جگہ پڑھے گا اور ہر جگہ یہی  
لفظ بصیغہ خطاب پڑھا جائے گا۔ اگر حضور ﷺ کو سلام بصیغہ منع کرنا ہوتا تو آپ  
تشہد میں ہرگز اجازت نہ دیتے۔ اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ یہاں خطاب  
بطریق حکایت نہیں بلکہ بطریق انشا ہے (۲)۔ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا

(۱) ترجمہ: تمام قولی و بدنی اور مالی عبادتیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں۔ اے غیب کی خبریں بتانے والے  
(نبی) ﷺ آپ پر سلام ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں، ہم پر سلام ہو اور اللہ تعالیٰ  
کے نیک بندوں پر، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں میں گواہی دیتا  
ہوں کہ بیشک محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ (۲) دیوبندیوں کا مسلک یہ ہے  
کہ نماز کے تشہد میں جب السَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهُ (اے نبی  
آپ پر سلام ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں) کہا جائے تو حضور پر قصد اسلام کرنے  
کی نیت نہ کرے بلکہ یہ نیت کرے کہ اللہ تعالیٰ نے شب معراج رسول اللہ ﷺ پر جو سلام پڑھا تھا میں  
اس سلام کی نقل اور حکایت کر رہا ہوں۔



اَلْسَّلَامُ عَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ کہنے سے سب صالحین کو یہ سلام پہنچے گا۔ اگر حکایت ہوتی تو حکایتی سلام نمازی کی طرف سے کیسے ہو سکتا ہے۔ معلوم ہوا کہ حکایتی نہیں بلکہ انشا ہے۔

## حدیث { ۳۳ }

اِذَا شَكَّ اَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ فَلْيَتَحَرَّ الصَّوَابَ فَلْيُتِمَّ عَلَيْهِ ثُمَّ يُسَلِّمْ ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ - مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ (۱)

ترجمہ:- حضرت سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا رسول کریم ﷺ نے: جب کسی کو نماز میں شک ہو تو صواب کا قصد (۲) کرے اور اس پر پورا کرے پھر سلام کہے اور دو سجدے (سہو کے) کرے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سجدہ سہو سلام کے بعد کرنا چاہیے۔ ابو داؤد میں حدیث ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہر ایک سہو کے دو سجدے ہیں بعد سلام کے (۳)، امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے۔

## حدیث { ۳۴ }

عَنْ أَبِي مَامَةَ قَالَ قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَيُّ الدُّعَاءِ أَسْمَعُ؟ قَالَ جَوْفَ اللَّيْلِ الْآخِرِ وَدُبْرَ الصَّلَوَاتِ الْمَكْتُوبَاتِ (۴)

(۱) الصحيح لمسلم، کتاب المساجد ۱/ ۲۱۲ - (۲) کمی کو پورا کرنے کا ارادہ۔

(۳) ابو داؤد ۱/ ۵۵ (۴) جامع الترمذی ۵۱۳، عمل الیوم واللیلہ ۱۸۶/۱

ترجمہ:- حضرت سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی دعا زیادہ سنی جاتی ہے۔ فرمایا پچھلی رات کے درمیان اور فرض نمازوں کے بعد۔ اس کو ترمذی نے روایت کیا۔  
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز کے بعد دعا مانگنا درست ہے۔

### حدیث { ۳۵ }

مَا مِنْ عَبْدٍ بَسَطَ كَفَّيْهِ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ ثُمَّ يَقُولُ  
اللَّهُمَّ إِلَهِي وَإِلَهَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَإِلَهَ جِبْرِيلَ  
وَمِيكَائِيلَ وَإِسْرَافِيلَ أَسْأَلُكَ أَنْ تَسْتَجِيبَ دَعْوَتِي فَإِنِّي  
مُضْطَرٌّ وَتَعْصِمَنِي فِي دِينِي فَإِنِّي مُبْتَلَى وَتَنَالِنِي بِرَحْمَتِكَ  
فَإِنِّي مُذْنِبٌ ، وَتَنْفِي عَنِّي الْفَقْرَ فَإِنِّي مُتَمَسِّكٌ ، إِلَّا كَانَ  
حَقًّا عَلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ أَنْ لَا يَرُدَّ يَدَيَّ خَائِبِينَ - (۱)

ترجمہ:- رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یعنی جو شخص ہر نماز کے پیچھے (بعد) ہاتھ پسار (پھیلا) کر یہ دعا پڑھے (۲) تو اللہ تبارک و تعالیٰ پر حق ہے کہ وہ اس کے ہاتھ خالی نہ پھیرے۔ اس حدیث کو حافظ ابوبکر بن السنی نے عمل الیوم

(۱) تحفة الاحوذی ۲ / ۱۷۱ - (۲) ترجمہ: اے اللہ! اے میرے معبود اور اے ابراہیم و اسحاق اور یعقوب علیہم الصلوٰۃ والسلام کے خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور اے جبرائیل و میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام کے رب جل جلالہ! مجھ لاچار کی دعا قبول فرما، اور میں مبتلائے مشکلات ہوں، میرے دین میں میری حفاظت فرما، اور مجھ گناہگار پر اپنی رحمت نازل فرما اور مجھ سے مفلسی دور کر کہ میں محتاج و مسکین ہوں۔

واللیلة میں روایت کیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دُعا مانگنا چاہیئے۔ جو لوگ نماز کے بعد دعا نہیں مانگتے وہ محروم رہتے ہیں۔ نماز جنازہ بھی من وجہ نماز ہے۔ حدیث مذکور کا لفظ کُلُّ صَلَوة اس کو بھی شامل ہے۔ اس لئے نماز جنازہ کے بعد بھی ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا چاہیئے۔

## حدیث { ۳۶ }

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ اِجْعَلُوا اٰمَتَكُمْ حِيَارَكُمْ فَاِنَّهُمْ وَفَدُكُمْ فِيمَا بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ رَبِّكُمْ۔  
رَوَاهُ الدَّارُ قُطْنِي (۱)

ترجمہ:- فرمایا حضور نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ نے کہ اپنے امام برگزیدہ لوگوں کو بناؤ کہ وہ تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان تمہارے اپیلچی (سفیر) ہیں۔ اس کو دارقطنی نے روایت کیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام برگزیدہ ہونا چاہیئے۔ اور ظاہر ہے کہ جن لوگوں کا عقیدہ صحیح نہیں وہابی (۲) ہو یا

(۱) الدار قطنی ۱/ ۱۹۷۔ (۲) یہ فرقہ ۱۲۰۹ھ میں پیدا ہوا۔ اس مذہب کا بانی محمد بن عبد الوہاب نجدی تھا۔ جس نے تمام عرب خصوصاً حرمین شریفین میں بہت شدید فتنے پھیلائے۔ علماء کو قتل کیا، صحابہ کرام و ائمہ و علماء و شہداء ﷺ کی قبریں کھود ڈالیں۔ روضہ انور کا نام معاذ اللہ صنم اکبر رکھا تھا یعنی بڑا بُست۔ اور طرح طرح کے ظلم کئے جیسا کہ بخاری شریف کی صحیح حدیث جلد ۲ ص ۱۰۵۱ میں حضور ﷺ نے خبر دی تھی کہ نجد سے فتنے اُٹھیں گے اور شیطان کا گروہ نکلے گا وہ بارہ سو سال بعد ظاہر ہوا۔

علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے رد المحتار ص ۶۰۰ میں

مرزائی (۱) شیعہ (۲) ہو یا اہل قرآن (۲) وہ ہرگز برگزیدہ نہیں ہو سکتے۔ لہذا ان میں سے کسی کے پیچھے نماز نہیں پڑھنا چاہئے۔

## حدیث { ۳۷ }

عَنِ السَّائِبِ بْنِ خَلَدٍ قَالَ إِنَّ رَجُلًا أَمَّ قَوْمًا فَبَصَقَ فِي الْقِبْلَةِ وَرَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَنْظُرُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لِقَوْمِهِ حِينَ فَرَغَ لَا يُصَلِّيْ لَكُمْ فَأَرَادَ بَعْدَ ذَلِكَ أَنْ يُصَلِّيَ لَهُمْ فَمَنْعُوهُ فَأَخْبَرُوهُ بِقَوْلِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَذَكَرَ ذَلِكَ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ نَعَمْ وَحَسِبْتُ أَنَّهُ قَالَ إِنَّكَ قَدْ أَذَيْتَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ۔ (۲)

ترجمہ: حضرت سیدنا سائب بن خلد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے

۱۔ اسے خارجی بتایا۔ اس عبدالوہاب کے بیٹے نے ایک کتاب لکھی جس کا نام ”کتاب التوحید“ رکھا۔ اس کا ترجمہ ہندوستان میں اسماعیل دہلوی نے کیا جس کا نام ”تقویۃ الایمان“ رکھا اور ہندوستان میں وہابیت اُسی نے پھیلائی۔ ان کا ایک بڑا عقیدہ یہ ہے کہ جو ان کے مذہب پر نہ ہو وہ کافر مشرک ہے (بہار شریعت جلد اول حصہ اول ص ۳۳) (۱) ان کے بارے میں حاشیہ صفحہ ۳ پر ملاحظہ فرمائیں۔ (۲) ان کے مذہب کی تفصیل ”تحفہ اثنا عشریہ“ میں دیکھئے۔ یہ لوگ رافضی بھی کہلاتے ہیں۔ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں۔ یہ حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت راشدہ کو خلافت غاصبہ کہتے ہیں۔ (۳) یہ لوگ بھی حدیث کے منکر ہیں۔ اسکی تفصیل کے لئے کتاب۔۔۔ کا مطالعہ فرمائیں۔ (۴) المشکوٰۃ، ۶۳۔

ایک قوم کی امامت کی اور قبلہ کی طرف منہ کر کے تھوکا۔ رسول کریم ﷺ دیکھ رہے تھے۔ حضور ﷺ نے اس کی قوم کو فرمایا جب وہ فارغ ہوا کہ یہ تمہیں نماز نہ پڑھائے۔ پھر جب وہ نماز پڑھانے لگا تو لوگوں نے اسے منع کیا اور رسول کریم ﷺ کے فرمان کی اسے خبر دی۔ تو اس نے رسول کریم ﷺ کے پاس ذکر کیا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا ہاں (میں نے منع کیا ہے)۔ راوی کہتے ہیں میں گمان کرتا ہوں کہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ تو نے اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا دی۔

دیکھو قبلہ شریف کی طرف منہ کر کے تھوکنے کے سبب حضور ﷺ نے نماز کی امامت سے روک دیا۔ تو جو لوگ سر سے پاؤں تک بے ادب ہیں ان کے پیچھے نماز کیسے جائز ہے۔ پس وہابی مرزائی۔ رافضی۔ خارجی (۱)۔ اہل قرآن کسی کے پیچھے نماز پڑھنا درست نہیں ہے۔

## حدیث { ۳۸ }

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ كُنْتُ أَعْرِفُ

(۱) یہ بھی گمراہ فرقہ ہے اس کے بارے میں منقول ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما خارجیوں کو مخلوق خدا کا بدترین طبقہ تصور کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ وہ آیات نکال لیتے ہیں جو کفار کے حق میں نازل ہوئیں اور انہیں مومنوں پر چسپاں کرتے ہیں (صحیح حلب بخاری ۱۰۲۳/۲ بَابُ قِتَالِ الْخَوَارِجِ وَالْمُلْحِدِينَ)۔ آج دیوبندی وہابی بھی ایسا ہی کر رہے ہیں اور بھولے بھالے مسلمانوں کو وہ آیات جو بتوں کے بارے میں ہیں اُن کو نبیوں، ولیوں پر چسپاں کر کے گمراہ کر رہے ہیں۔

إِنْقِضَاءَ صَلَوةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ بِالتَّكْبِيرِ - مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ (۱)

ترجمہ:- حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں رسول کریم، رؤف رحیم ﷺ کا نماز سے فارغ ہونا تکبیر (کی آواز) سے پہچان لیا کرتا تھا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نماز کے بعد بلند آواز سے تکبیر کہا کرتے تھے۔ یا بلند آواز سے ذکر کیا کرتے تھے۔ جس کی آواز سننے سے معلوم ہو جاتا تھا کہ اب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے۔ یہاں سے ذکرِ جہر کی اجازت نکلتی ہے۔

## حدیث { ۳۹ }

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ صَلَّى الْفَجْرَ فِي جَمَاعَةٍ ثُمَّ قَعَدَ يَذْكُرُ اللَّهَ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ كَانَتْ لَهُ كَأَجْرِ حَجَّةٍ وَعُمْرَةٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ تَامَّةٌ تَامَّةٌ تَامَّةٌ - رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ (۲)

ترجمہ:- حضور سرِ پانور ﷺ نے فرمایا جو شخص فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھ کر اللہ عز وجل کا ذکر کرتا ہوا بیٹھا رہے یہاں تک کہ سورج نکل آئے پھر

(۱) صحیح البخاری ۱/۱۱۶، الصحیح لمسلم ۱/۲۱۷۔

(۲) جامع الترمذی، کتاب الجبعة ص ۶۰۔

دور کعت نماز پڑھے اسے حج اور عمرہ کا ثواب ملتا ہے۔ حضور ﷺ نے تین بار فرمایا کہ پورے حج و عمرہ کا۔ اس کو ترمذی نے روایت کیا۔ معلوم ہوا کہ نماز فجر کے بعد طلوع شمس تک ذکر میں مشغول رہنا بہت اجر رکھتا ہے۔ یہی حضرات صوفیہ کرام کَثَرَهُمُ اللہ تَعَالٰی کا معمول ہے۔

## حدیث { ۴۰ }

عَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ وَإِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَاللَّهُ يُعْطِي - مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ (۱)

ترجمہ: حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کے حق میں اللہ تعالیٰ بہتری کا ارادہ رکھتا ہے اسے دین کی سمجھ دیتا ہے۔ یعنی اسے عالم فقیہ بنا دیتا ہے۔ سوائے اس کے نہیں میں تقسیم کرنے والا ہوں (۲) اور

(۱) صحیح البخاری ۱/۲۳۹/۲، ۶۰۹۳۹/۲، ۲۶۶۷، الصحیح لمسلم ۲/۱۹۷۔

(۲) شارح بخاری فقیہ اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ حدیث ”إِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَاللَّهُ يُعْطِي“ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ یہاں صرف ”قاسم“ ہے اور بخاری کتاب الجہاد میں تعلیقاً قاسم کے ساتھ خازن بھی ہے (بخاری ۱/۴۳۹)، معانی کا قاعدہ ہے کہ فعل یا شبہ فعل کا متعلق بھی اس کا مفعول وغیرہ جب محذوف ہوتا ہے تو وہ عموم کا افادہ (فائدہ دیا) کرتا ہے۔ یہاں قاسم (وہاں) خازن، بے تعلقی نیتوں کے مفعول محذوف۔ آج تک جو کچھ ملا، یا آئندہ ملے گا ان سب کا دینے والا اللہ تعالیٰ ہے اور ان سب کا خازن میں ہوں اور ان سب کا بانٹنے والا میں ہوں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے معطی ہونے میں کسی قسم کی کوئی تخصیص (مخصوص کرنا) جائز نہیں۔ اسی طرح حضور ﷺ کے قاسم و خازن ہونے میں کسی قسم کی تخصیص جائز نہیں۔

خدا تعالیٰ دیتا ہے۔ یعنی ہر وہ چیز کہ خدا دیتا ہے اس کو میں تقسیم کرنے والا ہوں۔ معلوم ہوا کہ جس کو جو کچھ ملتا ہے حضور سرورِ دو عالم ﷺ ہی کے ہاتھوں ملتا ہے۔ اور وہ ہر ایک کو حسبِ مراتب عطا فرماتے ہیں۔ انہیں علم ہے کہ فلاں اس قابل ہے اور فلاں اس قابل۔ وَاللّٰهُ تَعَالٰی اَعْلَمُ  
هَذَا اٰخِرُ مَا اُرَدْنَا فِيْ هَذَا الْبَابِ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ يَنْعِمُ عَلٰى الصّٰلِحٰتِ۔

❖ جس طرح تمام مسلمانوں کا اعتقاد ہے کہ عالم کی ہر نوع ہر فرد خواہ وہ فرشتے ہوں۔ خواہ وہ انسان خواہ جن ہوں خواہ اور کچھ سب کو سب کچھ اللہ تعالیٰ کی عطاء سے ملا اور ملے گا۔ اسی طرح یہ اعتقاد بھی واجب کہ سب کو بلا استثناء جو کچھ ملایا ملے گا وہ سب حضور اقدس ﷺ کے دیئے سے ملا۔ اس لیے جن لوگوں نے اسے علم کے ساتھ خاص کیا یہ درست نہیں۔ حیات بھی از قسم عطا ہے تو سب کو حیات بھی حضور ﷺ کے ہاتھوں ملی تو ثابت ہوا کہ ہر ذی حیات سے پہلے حضور اقدس ﷺ موجود تھے۔ اور آپ کی تخلیق سارے عالم سے پہلے ہوئی۔ خواہ وہ آدم علیہ السلام ہوں خواہ جبریل علیہ السلام و دیگر ملائکہ علیہم السلام۔ امام احمد بن حنبل و امام بخاری کے استاذ امام عبدالرزاق علیہم الرحمۃ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ يَا جَابِرُ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی قَدْ خَلَقَ قَبْلَ الْاَشْيَاءِ نُوْرَ نَبِيِّكَ مِنْ نُّوْرِہِ۔ اے جابر رضی اللہ عنہ! اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں سے پہلے تیرے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا کیا۔ الْبَوَاهِبُ لِدُنْيَاہِ ۱/۵۵، مدارج النبوة ۲/۲، شَرْحُ الْبَوَاهِبِ لِزُرْقَانِي ۱/۴۶، نَزْهَةُ الْقَارِي شَرْحُ الْبَحَارِي ۴۲۵ تا ۴۲۶۔

کنجیاں اپنے خزانوں کی خدا نے دی تمہیں  
اپنے رب کے اذن سے تم مالک و مختار ہو



## عظمتِ امامِ الائمہ سیدنا امامِ اعظم

سیدنا امامِ اعظم ابوحنیفہ نے اپنی زندگی میں پچپن حج کئے جب آخری بار حج کی سعادت حاصل کی تو خدامِ کعبہ مشرفہ نے آپ ﷺ کی خواہش پر آپ ﷺ کے لئے بابِ الکعبہ کھول دیا آپ بصدِ عجز و نیاز اندر داخل ہوئے اور بیت اللہ کے دوستوں کے درمیان کھڑے ہو کر دو رکعت میں پورا قرآن ختم کیا۔ پھر دیر تک رو رو کر مناجات کرتے رہے۔ آپ مشغولِ دعا تھے کہ بیت اللہ کے ایک گوشہ سے آواز آئی۔ ”تم نے اچھی طرح ہماری معرفت حاصل کی اور خلوص کے ساتھ خدمت کی۔ ہم نے تم کو بھی بخشا اور قیامت تک جو تمہارے مذہب پر ہوگا (یعنی جو تمہاری تقلید کرے گا) اس کو بھی بخش دیا۔“

(الخیرات الحسان)

امام بخاری کے دادا استاذِ سیدنا عبداللہ بن مبارک

نے فرمایا

فَلَعْنَةُ رَبِّنَا أَعْدَادَ رَمْلٍ عَلَى مَنْ رَدَّ قَوْلَ أَبِي حَنِيفَةَ

ترجمہ: ہمارے رب کی لعنت ہوریت کے ذروں کی تعداد میں، اس

(شخص) پر جو ابوحنیفہ ﷺ کے فرمان کو رد کرے۔

# ہماری مطبوعات

- ۱۔ ایمان کی پہچان (تمہید ایمان)
- ۲۔ معاشی ترقی کا راز (تدبیر فلاح و نجات و صلاح)
- ۳۔ امام احمد رضا خان رحمہ اللہ سے انٹرویو (اعلمہ الحق لکھی)
- ۴۔ ولایت کا آسان راستہ (الیا قوتہ الواسطہ)
- ۵۔ کرنی نوٹ کے شرعی احکام (کفل الفقیر الفاسم)
- ۶۔ فیضان احیاء العلوم (احیاء العلوم)
- ۷۔ جنتی دروازہ (منتخب فتاویٰ)
- ۸۔ کامیابی کا راز (منتخب فتاویٰ)
- ۹۔ راہ علم (تعلیم المسلم طریق العلم)
- ۱۰۔ زبدۃ الفکر (منجیہ الفکر)
- ۱۱۔ حق و باطل کا فرق (المصباح المجید)
- ۱۲۔ احکام شریعت میں عرف کی اہمیت (نشر العرف فی بناء بعض الاحکام علی العرف)
- ۱۳۔ ثبوت ہلال کے طریقے (طریق اثبات ہلال)
- ۱۴۔ حقیقت
- ۱۵۔ تحقیقات (اول)
- ۱۶۔ طلاق کے آسان مسائل
- ۱۷۔ کتاب العظام
- ۱۸۔ اسلام جو مجدد (سندھی)
- ۱۹۔ اربعین حنفیہ

